Regd. L. No. 7243
Phone. 80800

قرآنی نظامِ ربوبیّت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ستمبر 1971

بیادِ شہدائے ستمبر ۱۹۶۵ء و مارچ ۱۹۷۰ء

جلسۂ عام

۵ ستمبر بروز اتوار

بمقام وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال ۹½

خطبۂ

کیا یہ واقعی شہید ہیں؟

شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
ایک روپیہ

ٹیلیفون
۸۰۸۰۰
خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵ - بی گلبرگ لاہور

بدل اشتراک
پاکستان سے
سالانہ ——— دس روپے
غیر ممالک
سالانہ ——— ایک پونڈ

جلد (۲۴) ستمبر ۱۹۷۱ء نمبر (۹)

فہرست

۱۔ یاد دہانی ——— ۲
۲۔ لمعات ——— ۳
۳۔ رنگینیٔ خونِ شہداء ——— (محترم پرویز صاحب) ——— ۱۷
۴۔ سنیے آپکے نونہالانِ ملت کیا کہتے ہیں ——— ۴۱
۵۔ نقد و نظر ——— ۵۱
۶۔ دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات (۲) ——— ۵۲
۷۔ باب المراسلات ——— (تجربے بھی بڑا خطرہ) ——— ۶۱

ایڈیٹر محمد خلیل، ناشر سراج الحق، مقام اشاعت - ۲۵/بی گلبرگ لاہور، پرنٹر شیخ محمد اشرف، مطبوعہ، اشرف پریس ایبک روڈ لاہور

یاد میں

(۱)—— پاکستان کی سرحدوں پر بسنے والے ان بے گناہ، مظلوم انسانوں کی جنہیں بھارتی درندوں نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح، بغیر کسی قسم کی آگہی یا اعلانِ جنگ کے، اس وقت اپنی ہوسِ خون آشامی کا شکار بنایا جب وہ آرام سے اپنے گھروں میں سو رہے تھے اور جھلملاتے ستاروں کی نیم وا آنکھوں کے سوا، اس خونی منظر کا دیکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

(۲)—— ان عزت مآب دخترانِ ملت کی جنہیں یہ انسان نما درندے، ان کے صحنِ خانہ سے اُن نامعلوم ویرانوں کی طرف کشاں کشاں لے گئے جہاں سے کسی نے ان کی آہ و فغاں تک بھی نہ سُنی۔

(۳)—— اور یاد میں ان غیور و جسور جوانانِ افواجِ پاکستان کی، جو ان بے پناہ مظالم کا بدلہ لینے کیلئے شمشیر بکف اور کفن بدوش میدانِ کارزار میں آ نکلے اور اپنی عدیم النظیر جرأت و بسالت سے دنیا کو دکھا دیا کہ حق کی خاطر جان دینے والے کیا کچھ کر دکھایا کرتے ہیں۔

اور اب یاد میں

(۱)—— ان لاکھوں بے کس و بے بس، مظلوم و مقہور مردوں، عورتوں، بچوں کی جنہیں مارچ، اپریل ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دیا گیا۔

(۲)—— ان ہزارہا عصمت مآب خواتین کی، جن کی ایسے وحشیانہ طریق سے آبروریزی کی گئی کہ اس کی داستانِ خونچکاں سے پاکستان کی فضائیں تھرتھرا اٹھیں۔

(۳)—— قوم کی ان پیکرانِ عصمت و شرافت بیٹیوں کی جنہیں خود ان کے اپنے "بھائیوں" نے اغوا کر کے ہندوستان بھیج دیا کہ وہ وہاں کے درندوں کی ہوسناکیوں کا نشانہ بنیں، اور ہماری غیرت کا ماتم کریں۔

(۴)—— اور یاد میں، ان گمنام، مایۂ صد ناز اور قابلِ ہزار افتخار شہیدوں اور غازیوں کی جنہوں نے اپنے سے سینکڑوں گنا زیادہ دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کر کے، پاکستان کو ایک بار پھر نئی زندگی عطا کر دی۔

لاکھوں صلوٰۃ و سلام ہوں ان سرفروشانِ ملت پر جنہوں نے اپنی جانیں دے کر ہمارے لئے سامانِ زیست مہیا کر دیا۔

قوم اُن کے خون کی قیمت کبھی ادا نہیں کر سکتی —— (پاکستان پائندہ باد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

لمعات

جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

ہم شروع سے کہتے چلے آ رہے تھے کہ مشرقی پاکستان میں جو قیامت خیز واقعات رونما ہوئے ہیں، حکومت کو چاہیئے کہ ان کی تفاصیل کو عام کرے تاکہ خود اپنی قوم کو اور دیگر اقوامِ عالم کو معلوم ہو کہ وہاں کیا قیامت گذری ہے اور اس باب میں ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ آخر حکومت کو بھی اس کی اہمیت کا احساس ہوا اور اس کی طرف سے ابتدائے اگست میں ایک قرطاسِ ابیض (وہائٹ پیپر) شائع ہوا جس میں ان واقعات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد ہماری زبان سے بیساختہ نکلا — اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس باب میں ہم منفرد نہیں تھے، قوم کے پورے حساس طبقہ کی زبان سے بھی یہی بیساختہ نکلا ہوگا — کہ اے کاش! یہ قرطاس کہیں پہلے شائع ہوتا تو صرف یہ کہ ہم ان بدنامیوں اور سیاسی الجھنوں اور ان سے پیدا شدہ نقصانات سے بچ جاتے جو اس تمام دوران میں، ہندوستان کی طرف سے ہمارے خلاف بے پناہ جھوٹے پراپیگنڈہ اور ہماری طرف سے اتنی لمبی خاموشی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے، بلکہ بین الاقوامی عدالت میں ہندوستان، ہماری جگہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہوتا۔ ہم اپنا یکسر مبنی برحق و صداقت مقدمہ اس تاخیر کی وجہ سے ہار گئے، اور بھارت، اپنا سر تا سر باطل کیس، بر وقت شور مچانے کے باعث جیت گیا۔ قرطاس میں بہرحال یہ بتایا گیا ہے کہ ان تفاصیل کو مصلحۃً اس سے پہلے شائع نہیں کیا گیا تھا۔

اور پھر اس قدر اہم دستاویز کی نشر و اشاعت بھی جس طریق سے ہوئی ہے وہ بھی اطمینان بخش نہیں۔ اسے اوّل تو شائع ہی صرف انگریزی زبان میں کیا گیا حالانکہ جن عوام [illegible] س آشوبِ قیامت کی تفاصیل سے مطلع کرنا مقصدِ اولین تھا، ان میں سے کتنے انگریزی خواں ہیں؟ اسے سب سے پہلے، پاکستان کی ہر زبان میں شائع کیا جانا چاہیئے تھا۔ پھر جس محدود تعداد میں خود اس انگریزی پمفلٹ کی اشاعت ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ لاہور میں اس کی کوئی کاپی ہمیں دستیاب نہیں ہوئی۔

اور جب اس کی اشاعت کا خود پاکستان میں یہ عالم ہے، تو بیرونی ممالک میں اس کی اشاعت کیا ہوئی ہوگی! ضرورت اس امر کی تھی کہ اسے دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں شائع کیا جاتا، اور کرۂ ارض کے کونے کونے میں سیلاب کی طرح پھیلا دیا جاتا۔

ہم پر اس قرطاس کا دوسرا بے ساختہ تاثر یہ ہوا کہ پاکستان کی قابلِ صد رشک افواج کی عظمت کا سکہ ہمارے دل پر اور گہرائی سے ثبت ہو گیا۔ یہ صرف ان کی محیر العقول جراتوں اور قربانیوں کا صدقہ ہے کہ یہ مملکت اس وقت تک سلامت ہے۔ خدا اسے ہمیشہ سلامت رکھے۔

مشرقی پاکستان میں جو انسانیت سوز مظالم وقوع پذیر ہوئے ہیں ان کی ایک خفیف سی جھلک طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت میں سامنے لائی گئی تھی۔ اب اس قرطاس میں جن واقعات کی تفصیل دی گئی ہے اسے (اختصاراً) زیر نظر اشاعت میں دوسری جگہ درج کیا گیا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس پورے کے پورے قرطاس کو طلوع اسلام میں شائع کیا جاتا لیکن حکومت کی طرف سے کاغذ پر جو پابندیاں عاید ہیں ان کی وجہ سے طلوع اسلام کے اپنے مخصوص موضوعات بھی تنگیٔ داماں کے گلہ سنج رہتے ہیں چہ جائیکہ اس طویل دستاویز کیلئے گنجائش نکل سکے۔ لہٰذا معذوری ہے۔ اس مقام پر ہم اس سے صرف ان واقعات کو پیش کرتے ہیں جن سے شیخ مجیب الرحمٰن کا کردار قوم کے سامنے آجاتا ہے۔ اخبارات میں شائع شدہ خبروں کے مطابق، اس غدارِ ملت کا مقدمہ اس وقت زیر سماعت ہے اس لئے ہم اس پر محاکمہ نہیں کرسکتے۔ لیکن یہ واقعات جو خود حکومت کی طرف سے شائع ہوئے ہیں، اپنا محاکمہ آپ ہیں۔ قرطاس کی ابتدا ہی میں یہ انتباہ پیش کردی گئی ہے کہ "اس وہائٹ پیپر میں تفصیل کے ساتھ ان واقعات کا پس منظر بتایا گیا ہے جو بالآخر مسلح بغاوت کی شکل میں رونما ہوئے اور اس کا مقصد پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا تھا۔"

قرطاس میں مجیب کی سازشوں اور سرگرمیوں کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے "مشرقی پاکستان کے ملک دشمن عناصر کے ساتھ ہندوستان کے گٹھ جوڑ کا براہ راست ثبوت اس وقت ملا جب ۱۹۶۷ء میں اگرتلہ سازش کا راز کھلا۔ کئی گواہوں نے شہادت دی کہ شیخ مجیب الرحمٰن اس سازش میں ستمبر ۱۹۶۴ء سے ہی ملوث تھے جب مشرقی پاکستان کو ملک کے باقی حصے سے الگ کرنے کیلئے "ایک انقلابی تنظیم" کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اگرتلہ سازش کے تحت اصل منصوبہ یہ تھا کہ فوجی دستوں کے اسلحہ خانوں پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ انہیں مفلوج کر دیا جائے ..... ان مقاصد کے تحت سازشیوں کے نمائندوں اور ہندوستان کے نمائندوں میں جو اسلحہ اور بارود فراہم کرتے، ایک ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ یہ ملاقات ۱۲ جولائی ۱۹۶۷ء کو ہندوستان کے شہر اگرتلہ میں ہوئی۔ سازشیوں کو دسمبر ۱۹۶۷ء میں گرفتار کرلیا گیا اور ان میں سے ایک نے انکشاف کیا کہ ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں مسلح بغاوت کو منظم کرنے کے لئے ہتھیاروں اور روپے پیسے کی امداد دینے کا وعدہ کرنے کے علاوہ ہم سب سے یہ بھی کہا تھا کہ جس دن یہ بغاوت شروع ہوگی اس دن ہندوستان کی حکومت مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے ملا دینے والے فضائی اور بحری راستے بند کر دیگی۔"

یہ تھا اگرتلہ کا مشہور کیس، اور یہ تھا وہ کردار جو مجیب صاحب ادا کر رہے تھے۔ مجیب اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری دسمبر ۱۹۶۷ء میں عمل میں آئی، اور ۱۹۶۸ء میں یہ مقدمہ زیر سماعت رہا۔ تاریخ اس المیہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکے گی کہ اسی ۱۹۶۸ء میں ملک میں "بحالیٔ جمہوریت" کے نام پر فسادات کا طوفان بپا کر دیا گیا۔ ان ہنگامہ خیزیوں، خونریزیوں اور فساد انگیزیوں کا مقطع کا بند "لیڈرانِ قوم" کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ اگرتلہ کیس واپس لیا جائے اور شیخ مجیب الرحمٰن کو غیر مشروط طور پر رہا کرکے گول میز کانفرنس میں مدعو کیا جائے۔ ہم نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ لیڈروں کے اس مطالبہ پر (صدر) ایوب کو چاہیئے تھا کہ قوم کو بتاتے کہ اگرتلہ کیس کیا ہے اور مجیب کا کردار کیا۔ اور یہ کہ یہ لیڈر صاحبان انہیں کس طرح مجبور کر رہے ہیں کہ اس کیس کو واپس لیا جائے۔ اس کے بجائے انہیں چاہیئے تھا کہ یہ کہہ کر صدارت سے استعفیٰ دے دیتے کہ میں پاکستان کو تباہ کرنے والے گروہ کا حامی بننے کے مقابلہ میں اسے ہزار بار ترجیح دونگا کہ نظم و نسقِ مملکت سے علیحدگی اختیار کرلوں۔ اس کے بعد جو بھی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے گا، اس کی ذمہ داری اس پر عاید ہوگی۔ میں بری الذمہ ہونگا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ملتِ پاکستانیہ کی آنے والی نسلیں جہاں مجیب کو اس قدر تباہ کن سازش کے لئے معاف نہیں کرینگی وہ ان لیڈروں کو بھی کبھی معاف نہیں کرینگی جنہوں نے اس قدر دباؤ ڈال کر ایسی گہری سازش سے متعلق کیس کو دفن کرا دیا۔ اور

ایسے سنگین جرم کے ملزموں کو بلا مشروط رہا کروا دیا۔

کہدیا جائے گا کہ ان لیڈروں کو کیا معلوم تھا کہ مجیب کے خلاف کس قدر سنگین الزامات ہیں۔ یہ بالکل طفلانہ جواب ہوگا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ انہیں ان الزامات کی نوعیت سے آگاہ کیا گیا تھا یا نہیں۔ لیکن اتنا تو پاکستان کے عوام تک کو معلوم تھا کہ اس کیس کا نام "اگرتلہ سازش کیس" تھا۔ اس سے (کم از کم) اتنا واضح تھا کہ الزامات پاکستان کے خلاف سازش کے ہیں۔ کیا اس قسم کے سنگین الزامات سے متعلق مقدمہ کو واپس لینے کا مطالبہ کرنا، کسی بھی محبِ وطن کے لئے جائز قرار پا سکتا ہے؟ اس مقدمہ کو واپس کرانے کا نتیجہ یہ تھا کہ مجیب کو سازش کے ملزم سے قوم کا ہیرو بنا دیا گیا۔ اگرتلہ کیس سے پہلے اگر اس کا سیاسی قد پانچ فٹ کا تھا تو اس رہائی کے بعد اس کی قامت پچاس فٹ کے راون کی سی ہو گئی۔ چنانچہ اس کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ وہ وہاں سے چھوٹ کر جو سیدھا گول میز کانفرنس میں پہنچا تو بجائے اس کے کہ وہ کچھ اظہارِ تأسف و ندامت کرتا اور پاکستان کی سالمیت کا عہد کرتا اس نے اپنے ان چھ نکات کا مسودہ پیش کر دیا جو پاکستان سے علیحدگی کا لپٹا ہوا منشور تھا۔ یہی وہ نکات تھے جنہیں (صدر) ایوب نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ ان سے پاکستان باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ اوائل ۱۹۶۹ء کا واقعہ ہے۔

اس سازش کی پہلی کڑی میں اس کر و فر کے ساتھ کامیابی حاصل کرنے کے بعد مجیب کو کھلی چھٹی مل گئی کہ وہ اپنی سازش کو آخری مراحل تک پہنچائے۔ چنانچہ وہ ۱۹۶۹ء کے پورے دو سال اسی جدوجہد میں مصروف رہا۔ قرطاس[1] میں بتایا گیا ہے کہ "۴ ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو ڈھاکہ میں عوامی لیگ کے حامی روزنامہ "دی پیپل" نے راجشاہی ڈسٹرکٹ عوامی لیگ کے صدر کا ایک بیان شائع کیا جس میں انہوں نے کھلم کھلا ایک آزاد اور خود مختار بنگلہ دیش کی بات کی تھی۔" یہ الیکشن سے ذرا پہلے کی بات ہے۔

قرطاس کے بیان کے مطابق "۴ ر فروری ۱۹۷۱ء کو (اخبار) گارجین نے لکھا کہ "وہ (مجیب) صدر یحییٰ خان اور ان کے جرنیلوں سے کہتے ہیں کہ عوام میرے ساتھ ہیں۔ تم سے جو بن پڑے کر لو۔ وہ اس بات کو جانتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں یحییٰ خان کی فوج کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ اس طرح کے تشدد کی ہمت ہی نہیں کر سکتی۔ پھر یہ کہ پرواز پر پابندی لگ جانے سے کمک پہنچانا غیر ممکن ہے۔" (اس کے بعد قرطاس میں کہا گیا ہے کہ) فروری ۱۹۷۱ء کے آخر تک ہندوستان کی ایک خاص بڑی فوج مغربی بنگال کے صوبے میں جمع کر دی گئی۔ اس کے ساتھ پورے پاکستان کے ملک دشمن عناصر کی مدد کے لئے سادہ کپڑوں میں ملبوس ہندوستانی فوجیوں کو کئی طرف سے مشرقی پاکستان کی سرحدوں کے قریب پہنچا دیا گیا۔

"۱۰ ر فروری ۱۹۷۱ء کو لنڈن ٹائمز نے لکھا "شیخ مجیب الرحمٰن اپنے بیانوں میں مشرقی پاکستان کا نام لینے کے بجائے بنگلہ قوم کا ذکر کرنے لگے ہیں۔" لیور پول ڈیلی پوسٹ نے اپنی ۴ ر فروری کی اشاعت میں لکھا کہ "وہائٹ ہال میں اب یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ اور مشرقی پاکستان ایک آزاد بنگال مسلم جمہوریہ بننے کا اعلان کر دے گا۔ لنڈن کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف نے ۹ مارچ کو لکھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کی آزادی کا اعلان کر دیا ہے جس پر مطالبوں کا ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اسی دن ڈیلی ٹیلیگراف نے ایک اداریہ میں کہا "سننے میں آرہا ہے کہ علیحدہ ریاست کا نام مشرقی پاکستان کے بجائے بنگلہ دیش رکھا جائیگا۔ اس کا پرچم تیار کر لیا گیا ہے۔""

اس کے بعد قرطاس میں مجیب کی سرگرمیوں کا تاریخ وار تذکرہ ہے۔ اسے ہم من و عن درج ذیل کرتے ہیں:۔

(۱) یکم مارچ ۱۹۷۱ء شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک پریس کانفرنس میں ڈھاکہ میں ہڑتال کا اعلان کیا۔ ان کے اس اعلان

---

[1] اردو ترجمہ "پاک جمہوریت" سے لیا گیا جو حکومت کی اجازت سے شائع ہوا ہے۔

کے فوراً بعد عوامی لیگ کے مسلح بند دستوں نے شہر کے مختلف علاقوں میں تباہی مچا دی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ انہوں نے جگہ جگہ آگ لگائی اور غنڈہ گردی کی دوسری حرکتیں کیں۔ انہوں نے نرائن گنج رائفل کلب پر دھاوا بول دیا اور وہاں سے اسلحہ اور گولہ بارود اٹھا کر لے گئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے اقبال اور جگن ناتھ ہال میں مسلح دستے تیار کئے گئے جو اسلحہ گاڑیاں اور روپیہ پیسہ لوٹنے کے لئے پورے شہر میں پھیل گئے۔ یکم مارچ کی رات کے دوران پورے ڈھاکہ اور نرائن گنج میں تشدد کی وارداتوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور ان کا دائرہ بھی بڑھ گیا۔

۲ر مارچ ۱۹۷۱ء

بیت المکرم میں اسلحہ کی دو دکانیں اور نیو مارکیٹ میں ایک دکان لوٹ لی گئی اور سارا اسلحہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے کیمپس پہنچا دیا گیا جہاں نشانہ بازی کی مشق کیلئے چاند ماری کا ایک میدان پہلے ہی بنا لیا گیا تھا۔ اس کی فائرنگ کی آوازیں سارے دن سنائی دیتی رہیں۔

سڑکوں گلی کوچوں میں لوگوں کے ہجوم جو بندوقوں سے مسلح تھے اور ہاتھوں میں لوہے کی سلاخیں اور لاٹھی ڈنڈے لئے ہوئے تھے گھومتے رہے۔ جناح ایونیو اور بیت المکرم میں بہت سی دکانوں اور کاروباری مرکزوں پر اور ریسٹ الیاہ ہوٹل اور گلستان سینما پر حملے کئے گئے۔ رکشاؤں پر پتھراؤ کیا گیا۔ نرائن گنج میں ایک جوٹ مل (خواصی) اور ڈھاکہ کے فارم گیٹ علاقے میں دو نجی رہائشی مکانات کو آگ لگا دی گئی۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک اور پریس کانفرنس بلائی اور ۳ر مارچ کو پورے مشرقی پاکستان میں عام ہڑتال کا اعلان کیا۔ ابھی یہ پریس کانفرنس جاری ہی تھی کہ عوامی لیگ کے حامی طلباء کے گروپوں نے ڈھاکہ یونیورسٹی میں پاکستان کے قومی پرچم کی بے حرمتی کی اور اسے جلا دیا۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن کی توجہ اسکی طرف دلائی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ "میں کچھ نہیں کہوں گا"۔ انہوں نے یہ بات پھر کہی کہ وہ مرکزی حکومت کے خلاف عوامی نافرمانی کی ایک تحریک شروع کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ ۷ر مارچ کو ایک جلسے میں "عملی پروگرام" کی تفاصیل بتائیں گے۔

اس دوران تشدد کا سلسلہ برابر بڑھتا رہا۔ پورا شہر زبردست ہنگاموں کی لپیٹ میں آ گیا اور بڑے پیمانے پر لاقانونیت کی ان وارداتوں سے نمٹنے کا کام سول انتظامیہ کے بس سے باہر ہو گیا۔ چنانچہ سول حکام کی درخواست پر فوج کو جو ابھی بیرکوں میں تھی، طلب کر لیا گیا اور رات کے دوران کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

کرفیو کے ضابطوں کی بڑے پیمانے پر خلاف ورزیاں کی گئیں، صدر گھاٹ ڈھاکہ میں ایک ہجوم نے ایک فوجی یونٹ پر حملہ کر دیا۔ جس میں چھ آدمی ہلاک ہو گئے۔ ایک آدمی اس وقت مارا گیا جب فوج نے مقامی ٹی۔ وی اسٹیشن کو ایک تشدد پسند ہجوم کی زد سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

۳ر مارچ ۱۹۷۱ء

ڈھاکہ کے علاقے اسلام پور، پٹوا ٹولی بازار اور نواب پور اور دوسرے علاقوں میں تشدد اور لاقانونیت کا دور دورہ ہو گیا اور تشدد کی ان وارداتوں میں پانچ افراد ہلاک اور ۶۲ زخمی ہوئے۔ بہت سی دکانیں اور کاروباری دفاتر اور رہائشی مکانات نذرِ آتش کر دیئے گئے اور متعدد آدمیوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ جناح ایونیو میں ایک جنرل اسٹور اور گھڑیوں کی ایک دکان لوٹ لی گئی اور اسلحہ کی دکانوں سے اور ہتھیار بھی لوٹ لئے گئے۔ بیس پچیس ٹیکسی ٹیکسیوں کو آگ لگا دی گئی۔

اس عرصے میں تشدد کی یہ مہم صوبے کے دوسرے علاقوں میں پھیل چکی تھی۔ جیسور میں لاٹھیوں، ڈنڈوں اور برچھیوں سے مسلح ہجوم نے مقامی ٹیلیفون ایکسچینج پر حملہ کر دیا۔ پہرہ داروں نے فائرنگ کی جس سے دو آدمی ہلاک اور ۹ زخمی ہو گئے۔ اسکے بعد ہجوم منتشر ہو گیا۔

صبح کے وقت جیسور سے کھلنا جانیوالی ایک لوکل ٹرین کو کومیلا میں روک لیا گیا اور اسے آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ کھلنا کے قریب دولت گنج کے ٹیلیفون ایکسچینج پر حملہ کیا گیا اور اسے نقصان پہنچایا گیا۔ کومیلا ٹیلیفون ایکسچینج کا رابطہ صوبے کے دوسرے حصوں سے کاٹ دیا گیا۔

اکھوڑہ، سلہٹ، جمی گنج اور سیدانی بازار میں ٹیلیفون ایکسچینجوں پر بھی دھاوا بول کر انہیں اپنا کام بند کر دینے پر مجبور کر دیا گیا۔

ڈھاکہ میں ریڈیو اور ٹیلیویژن نے عوامی لیگ کی ہدایت پر ایک نیا "بنگلہ دیش" کا ترانہ بجایا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے "بنگلہ دیش کے عوام کے حقوق کے حصول کے لئے" پورے صوبے میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا اعلان کیا۔

۴ر مارچ ۱۹۷۱ء

۳ اور ۴ر مارچ ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات کو چاٹگام اور کھلنا میں ہنگامہ برپا ہوا۔ چاٹگام میں عوامی لیگ کے متشدد پسند دستوں کی رہنمائی میں بلوائیوں نے وائرلیس کالونی اور کئی دوسرے محلوں پر حملے کئے اور اندھا دھند طریقے سے لوٹ مار، آتش زنی، قتل اور آبروریزی کا ارتکاب کیا۔ ایک محلہ فیروز شاہ کالونی میں ۵۰۰ مکانوں کو آگ لگا دی گئی اور ان میں بسنے والے جن میں مرد، عورتیں، بچے سب ہی شامل تھے جل کر ہلاک ہو گئے۔ جن لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی انہیں یا تو مار ڈالا گیا یا شدید زخمی کر دیا گیا۔ زندہ جل کر مر جانے والوں کے علاوہ جن کی لاشیں بعد میں ملیں ۳۰۰ سے زیادہ آدمی تین اور چار مارچ کو ہلاک یا زخمی کر دیئے گئے۔

جیسور میں کھلنا سے آنیوالی ایک ٹرین کو پٹری سے اتار لیا گیا اور اس کے مسافروں کو باہر کھینچ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جیسور کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں بلوائیوں نے پاکستان کے پرچم کی بے حرمتی کی اور اسے جلا ڈالا۔ انہوں نے دفتر پر ایک دستی بم بھی پھینکا۔

کھلنا میں ٹیلیفون ایکسچینج پر حملہ کیا گیا اور کئی ملازمین کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

ڈھاکہ میں دھان منڈی اور نواب پور روڈ سے لوٹ مار کی وارداتوں کی اطلاعات ملیں۔ اسلحہ کی ایک دکان پر دھاوا بول کر وہاں سے ہتھیار لوٹ لئے گئے۔

۵ر مارچ ۱۹۷۱ء

چاٹگام میں چھرا گھونپنے اور مکانات جلائے جانے کی وارداتیں ہوئیں۔ کھلنا کے خالص پورا اور دولت پور کے علاقوں میں ۵۷ آدمیوں کو ہلاک کرنے کیلئے دستی بم، درانتیاں اور برچھیاں استعمال کی گئیں۔ مرنیوالوں کی لاشیں ٹکڑے ٹکڑے پائی گئیں۔ کھلنا شہر میں لاٹھیوں اور بندوقوں سے مسلح بلوائیوں نے چار دکانیں لوٹ لیں اور ایک ہوٹل کو آگ لگا دی۔

صوبے کے اندرونی علاقے کے دوسرے مقامات سے ملنے والی اطلاعات سے پتہ چلا کہ دور دور تک تشدد کا بازار گرم کر دیا گیا اور پورے صوبے میں شہری انتظامیہ مفلوج ہو کر رہ گئی۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ٹیلی مواصلات کا سلسلہ اب بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ مشرقی پاکستان بھی بیرونی دنیا سے کٹ چکا تھا۔ کیونکہ ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کے ملازمین نے عوامی لیگ کے احکام پر پیغامات بھیجنا اور وصول کرنا بند کر دیئے تھے۔

۶ر مارچ ۱۹۷۱ء

۵ اور ۶ر مارچ ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات کو ڈھاکہ کے سلیم اللہ مسلم ہال کے طالب علم برٹش کونسل کی عمارت میں گھس گئے۔ انہوں نے مٹی کا تیل چھڑک کر عمارت کو آگ لگانے کی کوشش کی لیکن فوج وقت پر پہنچ گئی اور اس نے فائرنگ کی۔ ڈھاکہ سنٹرل جیل کو توڑ کر ۳۴۱ قیدی فرار ہو گئے۔ پولیس نے گولی چلائی جس سے ۷ قیدی ہلاک ہوئے۔ ایک پولیس سارجنٹ اور ۲۰ وارڈر زخمی ہوئے۔ بعد میں ان مفرور قیدیوں نے تشدد پسند عوامی لیگ اور طالب علموں کے گروہوں کی سنگت میں ڈھاکہ کی سڑکوں پر جلوس نکالا اور دھمکی آمیز نعرے لگائے۔

عوامی لیگ اور مشرقی پاکستان سٹوڈنٹس لیگ کے لوگوں نے تیزاب اور کیمیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لئے سائنس لیبارٹریوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ڈھاکہ کی گورنمنٹ سائنس لیبارٹری کو لوٹ کر وہاں سے تمام آتشگیر مادہ لے جایا گیا۔ اس غرض سے پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ

پر بھی حملہ کیا گیا لیکن جب فائرنگ کی گئی تو بلوائی منتشر ہو گئے۔

مشرقی پاکستان کے تمام بڑے شہروں سے بھی اس قسم کی اطلاعات موصول ہوتیں۔ ان میں کومیلا اور جیسور شامل ہیں جہاں بم پھٹنے کے کئی واقعات ہوئے۔

فرید پور کے راجندر کالج کی آفیسرز ٹریننگ کور کی ۱۰ رائفلیں اور ۲ اسٹین گنیں لوٹ لی گئیں۔

چاٹگام میں لوٹ مار اور آتشزنی کا سلسلہ جاری تھا۔ دو مکانات اور کئی جھونپڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔ کئی مقامات پر چھپ کر گولی چلانے کے واقعات ہوئے۔

راجشاہی میں سٹی مجسٹریٹ کے دفتر کو آگ لگا دی گئی۔

۷ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک متوازی حکومت چلانے کے منصوبوں کا اعلان کیا اور باضابطہ طور پر کئی ہدایات جاری کیں۔

"انہوں نے ۸ مارچ کو شروع ہونے والی "عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریک کو جاری رکھنے کیلئے" ایک ہفتے کے پروگرام کا اعلان کیا۔ اس پروگرام میں یہ باتیں شامل تھیں۔ ٹیکس ادا نہ کرو، پورے "بنگلہ دیش" میں تمام تعلیمی اداروں، سرکاری اور نیم سرکاری دفتروں، ہائیکورٹ اور دوسری عدالتوں میں کام بند رکھنا۔ ریڈیو، ٹیلیویژن اور اخباروں کو اس بارے میں تفصیلی ہدایتیں دی گئیں کہ عوامی لیگ کی خبریں کس انداز سے پیش کی جائیں اور کہا گیا کہ اگر ان ہدایتوں پر عمل نہیں کیا گیا تو ان اداروں کے بنگالی ملازمین تعاون نہیں کریں گے۔" مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ٹیلیفون کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ ایک ہدایت میں حکم دیا گیا کہ "بینک، اسٹیٹ بینک کے ذریعہ یا کسی اور ذریعے سے رقم مغربی پاکستان نہیں بھیجیں گے۔" ایک اور ہدایت میں خاص طور سے کہا گیا کہ ہر یونین، محلے، تھانے، سب ڈویژن اور ضلع میں مقامی "عوامی لیگ کے یونٹوں کی قیادت میں ایک سنگرام پریشد (انقلابی کونسل) منظم کی جائیگی۔"

ادھر ڈھاکہ میں ریڈیو پاکستان کی عمارت میں آتشگیر مادہ پھینکا گیا۔ شہر کے مختلف حلقوں سے یہ خبریں آ رہی تھیں کہ عوامی لیگ کے حامی طلبہ جیپ گاڑیاں، پک اپ اور مائیکرو بسیں زبردستی چھین کر لے جا رہے تھے۔

ضلع جیسور میں بنگاؤں کے مقام پر پاکستان کا قومی پرچم جلایا گیا۔

۸ مارچ ۱۹۷۱ء

ڈھاکہ میں جن لوگوں کے پاس لائسنس والے ہتھیار تھے ان سے عوامی لیگی رضاکاروں نے ہتھیار اور کارتوس چھیننے شروع کر دیئے۔ اس قسم کی اطلاعات مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں سے بھی آ رہی تھیں۔

صوبے کے طول و عرض میں عوامی لیگ نے جلسے کئے۔ بلوائیوں نے جلوس نکالے، نسل پرستانہ اور پاکستان دشمن نعرے لگائے گئے۔

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری مسٹر تاج الدین احمد نے "شیخ مجیب الرحمٰن کی ہدایات کے تحت کچھ مستثنیات اور تصریحات" کا اعلان کیا۔ ان میں خاص طور سے یہ حکم شامل تھا کہ "اسٹیٹ بینک یا کسی اور کی معرفت کوئی رقم بنگلہ دیش سے باہر نہیں بھیجی جائیگی۔"

۹ مارچ ۱۹۷۱ء

عوامی لیگ کے رضاکاروں اور حامی طلباء کے گروہوں نے، بنگلہ دیش کے سرمائے کے انتقال کو روکنے کیلئے ڈھاکہ میں جگہ جگہ "جانچ پڑتال کے اڈے" قائم کر دیئے اور جانچ پڑتال کے بہانے جن لوگوں کے سامان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ اسے "بنگلہ دیش" کے نام پر ضبط کر لیا جاتا تھا۔

رنگپور میں ایک مشتعل ہجوم نے لال منیر ہاٹ میں ایک ریل گاڑی روک لی، اسکو توڑا پھوڑا اور کچھ مسافروں کو سیاسی اور نسلی اختلاف

کی بنا پر ستایا اور شہر کے مختلف محلوں میں بہت سے لوگوں کو مارا پیٹا۔

راجشاہی میں ٹاؤن ہال پر آزادی کا پرچم" لہرایا گیا۔

لندن کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کے نمائندے کلینٹ کلارک کا ایک مراسلہ ۹ مارچ ۱۹۷۱ء کو شائع ہوا تھا جس میں بتایا گیا کہ "معلوم ہوا ہے کہ اتوار کی رات کو (۷ مارچ) جب شیخ مجیب نے اس مجمع کو" ٹیلیویژن کے دروازے تک پہنچایا، ڈھاکہ مکمل لاقانونیت کے سیلاب میں ڈوب گیا۔ آگے چل کر اس خبر میں کہا گیا کہ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب نے اس عمل کو آزادی کی تحریک کا نام دیا اور قومی اسمبلی میں مل جل کر کام کرنے کیلئے ایسی شرطیں لگائی گئیں جنہیں مان لینا صدر یحییٰ خان کے بس میں نہ تھا۔ اس اخبار نے یہ بھی لکھا تھا کہ شیخ نے ہدایات جاری کی تھیں کہ گردوں میں عوامی لیگ کے لیڈروں کی سرکردگی میں بستی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء

عوامی لیگ نے اعلان کیا کہ بنک لاکروں سے کوئی چیز نہیں نکالی جائیگی اور بندرگاہ کے حکام کسی قسم کا تعاون نہیں کرینگے الا اس صورت کے جس کی اجازت شیخ مجیب الرحمٰن کے ہدایت ناموں میں دی گئی ہے۔

کومیلا سے اطلاعات آئیں کہ چائے کے باغات میں فسادات ہوئے اور علاقے میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔

۱۲ مارچ ۱۹۷۱ء

۱۱ اور ۱۲ مارچ کی درمیانی شب میں باریسال کی جیل توڑی گئی اور بہت سے قیدی بھاگ گئے۔ بوگرہ سے بھی جیل کے توڑنے کیا تو قیدیوں کے فرار ہونے کی اطلاع آئی۔ کومیلا میں تین سو قیدیوں نے جیل سے بھاگنے کی کوشش کی۔ پولیس نے گولی چلادی جس سے دو قیدی ہلاک اور ۲۰ زخمی ہوئے۔

صوبے بھر میں "مکتی دل" اور نیم فوجی تنظیمیں وجود میں آئیں اور عام لوگوں میں نسلی نفرت و اشتعال پیدا کرنے کیلئے ان کی طرف سے چھپے ہوئے اور ہاتھ کے لکھے ہوئے اشتہار چوری چوری تقسیم کئے گئے۔

ایک فوجی قافلہ کو جو پانچ فوجی گاڑیوں میں سلہٹ سے کمیلا راشن لینے جا رہا تھا، برہمن باڑیہ میں ایک مسلح مجمع نے روکنے کی کوشش کی۔

۱۳ مارچ ۱۹۷۱ء

ڈھاکہ میں ریلوے اسٹیشن پر مسافروں کو عوامی لیگ کے رضاکاروں نے گھیرے میں لے لیا تاکہ ان سے "پوچھ گچھ" کی جائے۔ اسلئے کہ ان پر الزام لگایا گیا تھا کہ "وہ مغربی پاکستان کے دلال تھے" ڈھاکہ میں ٹکر آئل کے نواح میں واقع ایک سرکاری دفتر میں تیزاب سے بھری دو بوتلیں پھینکی گئیں جس سے آگ لگ گئی۔

جیسور میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر پر جو پاکستان کا قومی پرچم لہرا رہا تھا، اسکو اتار کر اسکی جگہ بنگلہ دیش کا پرچم لگایا گیا۔

کومیلا میں عوامی لیگی لیڈروں نے دھمکی دی کہ اگر ان دو قیدیوں کو جنہوں نے شمشیر نگر میں قومی پرچم جلایا تھا، رہا نہ کیا گیا تو وہ جیل توڑ کر ان کو نکال لے جائینگے۔

۱۴ مارچ ۱۹۷۱ء

شیخ مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ پہلے جتنے ہدایت نامے جاری کئے گئے تھے وہ منسوخ سمجھے جائیں اور انکی جگہ انہوں نے نیا ہدایت نامہ جاری کیا جس میں عملی پروگرام کی تفصیل بتائی گئی تھی اور جس پر ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء سے عمل ہونا تھا۔ ان ہدایات میں ایک ہدایت یہ کی گئی کہ متعلقہ حکام یعنی ڈپٹی کمشنر اور سب ڈویژنل افسر اپنے فرائض کی بجا آوری اور اختیارات کے استعمال کے سلسلے میں اپنے اپنے علاقے کی عوامی لیگ سنگرام پریشد سے قریبی رابطہ قائم کرینگے اور ان سے تعاون کریں گے۔

ایک اور ہدایت نامے میں قرار دیا گیا تھا کہ کسٹم کا محکمہ کام کرتا رہیگا اور پورا محصول لیکر مال چھوڑیگا۔ وصول شدہ رقم ایک خاص کھاتے میں جمع کی جائیگی اور اس غرض سے ایسٹرن بنکنگ کارپوریشن لمیٹڈ اور ایسٹرن مرکنٹائل بنک لمیٹڈ (نجی بنک) میں کلکٹر کسٹم کے نام میں حساب کھولا جائے جو ان کھاتوں سے لین دین کا کام ان ہدایات کے مطابق کریگے جو وقتاً فوقتاً عوامی لیگ کیطرف سے جاری کی جائیں گی اور اس مد میں جو رقوم وصول کی جائیں گی وہ مرکزی حکومت کے کھاتے میں جمع نہیں کی جائینگی۔

۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء

"سوادھین بنگلہ دیش کیندریا چترا سنگرام پریشد" (آزاد بنگال کی انقلابی طلبہ کی مرکزی کونسل) کے چار ممبروں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں اعتراف کیا گیا تھا کہ "کچھ ہتھیار بند شرپسند لوگ جو گاڑیوں میں سوار ہیں مختلف گھروں میں چھاپے مارنے میں مشغول ہیں اور سنگرام پریشد کے نام پر لوگوں سے زبردستی چندہ وصول کر رہے ہیں۔"

ادھر یہ خبریں آ رہی تھیں کہ عوامی لیگ نے ڈھاکہ میں جگہ جگہ جانچ پڑتال کے اڈے قائم کر رکھے ہیں جہاں تلاش کے بہانے نسلی اور سیاسی اختلاف کی بنا پر لوگوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا جا رہا ہے۔

کومیلا میں فینی کے مقام پر ایک ہتھیار بند مجمع نے ایک فوجی یونٹ کے گرد گھیرا ڈالا اور اس پر حملہ کیا۔

بی بی سی لندن نے ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو یہ خبر نشر کی تھی کہ "شیخ مجیب الرحمٰن نے ایک بیان دیا ہے جس میں انہوں نے محکمہ دفاع کے غیر فوجی عملے کو ہدایت کی کہ فوج کا حکم نہ مانیں اور کام پر واپس نہ جائیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے جس کی عوامی لیگ مشرقی پاکستان کے لئے زیادہ سے زیادہ خود مختاری کی طلبگار رہی ہے تیس سے زاید ہدایت نامے جاری کئے ہیں جن کی غرض اس علاقے کو زیادہ سے زیادہ گرفت میں لینا تھا۔ مثلاً انہوں نے یہ حکم دیا تھا کہ مرکزی حکومت کی بجائے انکی حکومت کو ٹیکس ادا کئے جائیں۔"

اس مقام پر ہم یہ بتانے کے لئے رکتے ہیں کہ اس تاریخ (۱۵ مارچ) کو صدر مملکت (یحییٰ خان صاحب) نے مجیب کے ساتھ آئینی گفتگو سے مصالحت شروع کی تھی۔ یہ گفتگو ۲۴ مارچ تک جاری رہی۔ قرطاس کے بیان کے مطابق '۱۶ مارچ سے ۲۵ مارچ تک مجیب کی سرگرمیوں کی تفصیل یہ ہے:۔

"۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء

ناٹور ضلع رنگپور کے مہاراج ہائی اسکول سے تیزاب اور کیمیاوی اجزاء چرائے گئے۔

چٹاگانگ میں عوامی لیگ کے رضاکاروں نے اسلحہ کی ایک دکان لوٹ لی۔

لندن کے اخبار "گارجین" (۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء) میں اخبار کے نامہ نگار مارٹن اڈینی نے عوامی لیگ کی ایک مجلس عمل کا یوں ذکر کیا ہے "یہ مجلس عمل صوبے میں موجود دوسری مجلس عمل کیطرح اس بات پر غور کر رہی تھی کہ مشرقی بنگال کے سلسلے میں جسے وہ آزاد سمجھنے لگے تھے، اب کیا قدم اٹھانا ہے۔ اٹھارہ دیہاتوں کے تین سو باشندوں نے ایک مجلس عمل بنائی جو اگر ضروری ہوئی تو فوج کا مقابلہ کریگی۔ اور ان لوگوں کو ایک دہقانی تربیت دے رہا ہے جو رائل انڈین آرمی سروس کور میں بحیثیت لانس کارپورل ملازم تھا۔"

ہندوستان کے اخبار روزنامہ "اسٹیٹسمین" (۱۶ مارچ ۱۹۷۱ء) نے عوامی لیگ کے ہدایت نامہ مورخہ ۱۴ مارچ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسٹر مجیب الرحمٰن نے کہا ہے "میں ان ہدایات ناموں کے ذریعہ بنگلہ دیش پر قابو حاصل کر رہا ہوں۔" اس اخبار نے لکھا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا تھا کہ "صدر ہمارے مہمان ہونگے۔" اس جملہ کا مطلب ڈھاکہ میں لوگوں نے یہ لیا کہ مشرقی پاکستان اپنے آپ کو مغربی پاکستان سے ایک الگ ملک سمجھتا ہے۔

۱۷ مارچ ۱۹۷۱ء

سولہ سترہ مارچ کی درمیانی شب کو عظیم پور ڈھاکہ میں واقع ایک سرکاری دفتر میں تیزاب کی دو بوتلیں پھینکی گئیں۔

جیسور میں بجلی گھر کو نقصان پہنچایا گیا جس کی وجہ سے بجلی کی فراہمی میں خلل پڑا۔ جیسور سے کھلنا جانے والی سڑک پر جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ کھلنا میں پانچ مارچ کے قتل عام میں جو تین سو آدمی بچ گئے تھے ان کو مارنے کی پھر دھمکیاں دی گئیں۔

موضع لالی بار تھانہ کالی گنج ضلع دیناجپور میں طلبہ نے بارہ مکانوں کو جلا دیا۔

۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء

سنٹرل گورنمنٹ ہائی اسکول موتی جھیل ڈھاکہ پر دھاوا بولا گیا اور تیزاب اور کیمیاوی اجزا لوٹ لیے گئے۔

جیسور میں ایک فوجی کیمپ پر تیزاب سے بھری ہوئی دو بوتلیں پھینکی گئیں۔

۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء

ڈھاکہ میں میمن سنگھ سے واپس آنے والی ایک فوجی گاڑی پر جب وہ ایک ریلوے کراسنگ سے گزر رہی تھی ایک ہجوم نے اچانک حملہ کر دیا۔ اور حملہ آور چھ آدمیوں کو مع ان کے ہتھیاروں کے پکڑ کر لے گئے۔

ڈھاکہ سے بائیس میل دور جادیو پور میں ایک ہتھیار بند ہجوم اور فوجیوں نے ایک دوسرے پر گولی چلائی کیونکہ جادیو پور بازار میں ایک ریلوے کراسنگ پر ایک ریل گاڑی کھڑی کر کے راستہ کاٹ دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد قصبہ میں کرفیو لگا دیا گیا۔ فوجی جوانوں نے اس ریل کو دھکیل کر راستہ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اسکو روکنے کیلئے ہجوم نے گولی چلا دی اور تین جوان بری طرح زخمی ہوئے۔ جادیو پور کے چوراہے پر ایک تشدد پسند ہجوم نے پھر گولی چلائی۔ جوانوں نے گولی کا جواب گولی سے دیا اور ایک شرپسند ہلاک ہو گیا۔ ڈھاکہ میمن سنگھ شاہراہ پر کوئی چھ جگہ رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔

۲۰ اور ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء

ہندوستان سے ست کھیرا کے راستے جیسور میں ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ آنے کی اطلاع ملی۔ اس طرح پتہ چلا کہ ناجائز ذریعوں سے حاصل کئے ہوئے ہتھیار اور گولہ بارود چٹاگانگ کومیلا روانہ کیا گیا۔

ہانگ کانگ کے ایک اخبار "دی فار ایسٹرن ریویو" (۲۰ مارچ ۱۹۷۱ء) نے خبر چھاپی تھی کہ "ادھر تو صدر یحییٰ خان بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ اگلا قدم کیا اٹھایا جائے اور ادھر شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے مکان واقع ڈھاکہ میں مجھ سے کہا کہ "یہ آخری بات چیت ہے" سوال کیا گیا۔ اسکا کیا مطلب ہے تو انہوں نے وہی "جے بنگلہ" کا نعرہ مارا جو وہ ہزاروں بار اپنے پیروکاروں کے مجمع میں لگا چکے تھے اور جس کا مطلب ہے "زندہ باد آزاد بنگال"۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء

دیناجپور میں عوامی لیگی لیڈروں نے مشتعل لوگوں کا ایک جلوس نکالا۔ لوگ صدر یحییٰ خان کا ایک پتلا جس کے قلب میں خنجر پیوست تھا، اٹھائے ہوئے تھے۔

خبر ملی کہ سلہٹ کے چائے کے باغوں میں ہندوستان کے بھیجے ہوئے ہتھیار موجود ہیں۔

۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء

"یوم پاکستان" کا نام بدل کر "یوم مزاحمت" رکھا گیا۔ ڈھاکہ اور مشرقی پاکستان کے دوسرے شہروں میں سرکاری اور نجی عمارتوں پر قومی پرچم کی جگہ بنگلہ دیش کا پرچم لہرایا گیا۔

"لبریشن فرنٹ" اور سابق فوجیوں کی جیسی نیم فوجی تنظیموں نے پریڈ کرنی شروع کی اور "مارچ پاسٹ" کیا۔ عوامی لیگ کی ہدایت پر

ڈھاکہ ٹیلیویژن نے یومِ پاکستان پر قومی پرچم کی نمائش نہیں کی۔ سیدپور اور دوسرے محلوں میں جہاں لوگوں نے بنگلہ دیش کا جھنڈا اٹھانے سے انکار کیا اور قومی پرچم لہرانے پر اصرار کیا، فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنی قیامگاہ پر مارچ پاسٹ کی سلامی لی اور انکے مکان پر بڑے اہتمام سے بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرانے کی رسم ادا کی گئی۔

طالب علموں کے گروہوں نے مغربی پاکستان کے تاجروں کو اغوا کیا اور انکو چھوڑنے کیلئے منہ مانگا معاوضہ طلب کیا۔ ڈھاکہ کے ہوائی اڈے کے قریب ہوائی جہاز سے سفر کرنیوالے مسافروں پر ہتھیار بند گروہوں نے اینٹ پتھر پھینکے اور ان کو ہر طرح تنگ کیا۔

۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء

جنگ باز طالب علموں اور مزدوروں کے گروہوں کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اور چھپے ہوئے اشتہارات صوبے بھر میں بانٹنا شروع کئے۔ ان میں عام لوگوں کو تشدد پر اکسایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک اشتہار جو پوربو بنگلہ شرامک اندولن (مشرقی بنگال مزدور تحریک) کی ضلع کمیٹی نے بانٹا تھا، اس کا متن حسب ذیل ہے:۔

"مشرقی بنگال کی قومی آزادی کی تحریک شروع ہو چکی ہے۔ اسکو جنگل کی آگ کیطرح گھر گھر پھیلا دو۔ وطن پرست اور انقلاب پسند لوگو ہتھیار اٹھا لو۔ دشمن فوج کا مقابلہ کرو اور اسے ختم کر دو۔ مسلح مزاحمت کے ذریعے آزاد کرائے علاقوں کا دفاع کرو۔"

"لوگو! تمہیں جو بھی ہتھیار ملے سنبھال لو اور دشمن کے راستوں کو بند کر دو۔ ان علاقوں میں جن پر ان کا کنٹرول نہیں ہے سڑکیں کاٹ دو، اور پلوں اور ریلوے لائنوں کو اڑا دو۔ اپنے گھروں میں دیسی اور خود ساختہ بم رکھو۔ اگر ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑیں یا دشمن ہم پر براہ راست حملہ کرے تو ہم کو مزاحمت کے لئے خونریز جنگ لڑنی ہو گی۔"

یاد رکھیئے کہ مشرقی بنگال کی قومی آزادی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے، اور وہ ہے مسلح جنگ۔ اور یہ جنگ طویل عرصے تک جاری رہیگی۔ اسلئے ہم چھاپہ مار جنگ کی چالوں سے کام لئے بغیر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکینگے۔ آزاد کرائے ہوئے علاقوں کو ہر قیمت پر اپنے قبضے میں رکھنے کیلئے تیار رہو۔ مشرقی بنگال کی طویل تحریکِ آزادی ابھی خاتمے کو نہیں پہنچی۔ بلکہ ابھی تو اس کا آغاز ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں کمزور کرنے کے لئے دشمن ناکہ بندی کرے۔ مشرقی بنگال کی فتح ناگزیر ہے۔ ہم نے پاکستانی نوآبادیاتی نظام کی زنجیریں توڑ کر پھینک دی ہیں۔ آزاد مشرقی بنگال زندہ باد۔"

رنگپور میں گولا ہاٹ اور شمالی سیدپور میں آگ لگانے کی وارداتیں ہوئیں۔ آٹھ ہزار آدمیوں کے ایک مشتعل ہجوم نے جو لاٹھیوں اور مہلک ہتھیاروں سے مسلح تھا، سیدپور پر دھاوا بول دیا اور وہاں کے باشندوں پر حملے کئے، اور ۵۰ گھروں کو آگ لگا دی۔

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء

یہ اطلاع ملی کہ ڈھاکہ میں انجینئرنگ یونیورسٹی اور اقبال ہال اور جگن ناتھ ہال میں بڑے پیمانے پر دیسی بم تیار کئے جا رہے ہیں۔ پورے ڈھاکہ شہر میں جگہ جگہ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے راستے بند کر دیئے گئے۔

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے لندن ٹائمز میں پال مارٹن کی ایک رپورٹ چھپی جس میں بتایا گیا کہ "ڈھاکہ یونیورسٹی کے میدان میں انقلابی گروہوں نے طلبہ کو آتشیں اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت دینی شروع کر دی ہے۔ مشرقی پاکستان کے بہت سے گاؤں میں "رضاکاروں" کے بریگیڈ بنا دیئے گئے ہیں جو عوامی فوج کی بنیاد بنیں گے اور آئندہ ان کا کام یہ ہو گا کہ وہ پاکستانی فوج کا مقابلہ کریں۔ پچھلے ہفتے میں لیبارٹریوں سے چرائے ہوئے کیمیاوی مادے سے پٹرول اور دوسرے دستی بم تیار کئے جا چکے ہیں۔ اور ڈھاکہ شہر میں ان بموں کے پھینکنے اور پھٹنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔"

سیدپور میں چار بلوائی ہجوم جو رائفلوں، شاٹ گنوں اور خنجروں سے مسلح تھے اور آس پاس کے دیہات سے آئے تھے سیدپور شہر میں

جمع ہوئے اور انہوں نے قریب کی بستی گولاہاٹ پر حملہ کر دیا۔ وہاں انہوں نے تین افراد کو ہلاک اور پندرہ کو زخمی کر دیا۔ زخمیوں میں سے دو کو رائفل کی گولیاں لگی تھیں اور سات بندوق کی فائرنگ سے زخمی ہوئے تھے۔ باقی لوگوں کو لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مارا پیٹا گیا تھا۔ بچاس گھروں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ فوج کو فائرنگ کرنی پڑی جس سے تین آدمی زخمی ہوئے۔ سید میں ایک اور تشدد پسند ہجوم نے سید پور چھاؤنی پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے فوجوں پر شاٹ گنوں سے فائرنگ کی سپاہیوں کو بھی گولی چلانی پڑی جس سے پانچ آدمی زخمی ہوئے۔

ایک اور بڑا حملہ سید پور دیناجپور روڈ پر پوسٹل سروس کی ایک گاڑی پر کیا گیا۔ انہوں نے کنڈکٹر اور ڈرائیور کو کھینچ کر باہر نکال لیا اور کنڈکٹر کو اتنا مارا کہ اس نے موقع پر ہی دم توڑ دیا۔ ڈرائیور کو شدید طور پر زخمی کر دیا گیا۔

چاٹگام میں بندرگاہ سے آگرا آباد جانیوالی سڑک پر زبردست رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ فوج اور اسلحہ چھاؤنی تک نہ پہنچ سکے۔ بڑی سڑک پر جگہ جگہ گڑھے کھود دیئے گئے اور راستے میں ٹرک لاریاں کو لٹا کے پہیے توڑ کرے اور اینٹیں وغیرہ ڈال دی گئیں تاکہ ان راستوں سے کوئی گاڑی گزرنے نہ پائے۔

عوامی لیگ نے مسلح بغاوت کے لئے جو زبردست تیاریاں کر رکھی تھیں ان پر عمل شروع کیا گیا۔ تو شیخ مجیب الرحمن نے سابق کرنل عثمانی کو انقلابی افواج کا کمانڈر مقرر کیا جو براہ راست انکے سامنے جواب دہ تھے اور انہوں نے ریٹائرڈ میجر جنرل مجید اور ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کمانڈر معظم کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ سابق فوجیوں کی خدمات حاصل کریں۔ عوامی لیگ کے ہیڈ کوارٹر میں فہرستیں تیار کر کے رکھ دی گئیں اور ان لوگوں کو مسلح کرنے کے انتظامات کئے گئے۔ اس مقصد کیلئے ڈھاکہ، نرائن گنج، کھلنا اور جیسور میں اسلحہ کی دکانیں لوٹی گئیں اور باغیوں کی ضروریات پوری کرنے کیلئے تمام بڑے شہروں میں ہتھیاروں کے انبار لگا دیئے گئے۔ صرف ڈھاکہ یونیورسٹی کے ہیڈ کوارٹر میں پندرہ ہزار بھری ہوئی رائفلیں جمع تھیں۔

ایسٹ پاکستان رائفلز اور ایسٹ بنگال رجمنٹ کی مختلف چوکیوں کے درمیان وائرلیس ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطے قائم تھے اور ہدایات آناً فاناً ایک یونٹ سے دوسری یونٹ کو پہنچتی رہیں۔ عملی کارروائیوں کی ہدایات کا سب سے بڑا ہیڈ کوارٹر چاٹگام میں ایسٹ بنگال رجمنٹل سنٹر میں قائم تھا۔

عملی کارروائیوں کا منصوبہ نہایت تفصیل کے ساتھ مرتب کیا گیا تھا۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ ڈھاکہ میں عوامی لیگ کے ہیڈ کوارٹر سے اشارہ ملتے ہی مسلح بغاوت برپا کر دی جائے۔ اس کا انتظام اس طرح کیا گیا تھا کہ

(الف) ایسٹ بنگال رجمنٹ ڈھاکہ اور چاٹگام پر قبضہ کرے گی تاکہ پاکستانی فوج بحری یا فضائی راستوں سے نہ آنے پائے۔

(ب) ایسٹ بنگال رجمنٹ کی باقی فوج ایسٹ پاکستان رائفلز، پولیس اور مسلح رضاکاروں کی مدد سے آگے بڑھ کر مختلف چھاؤنیوں اور اسٹیشنوں پر مسلح افواج کا خاتمہ کر دیگی۔

(ج) ایسٹ پاکستان رائفلز سرحد پر تمام اہم چوکیوں پر قبضہ کرے گی اور انہیں باہر سے آنیوالی امداد کے لئے کھلا رکھے گی۔

(د) مزید اسلحہ اور گولہ بارود کی ضروریات ہندوستان سے پوری کی جائیں گی۔ اور

(س) ایک دفعہ جب عوامی لیگ کی باغی فوج اہم مرکزوں پر قبضہ کرتے اور پاکستانی فوج کو مفلوج کر دینے کا پہلا مرحلہ کامیابی سے طے کر لے گی تو ہندوستانی افواج عوامی لیگی فوج کی مدد کے لئے پہنچ جائیں گی۔

اس مسلح بغاوت کے لئے جمعہ کو صبح سویرے کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔

یہ ہے قرطاس کی رو سے ۲۵ مارچ تک مجیب کی سرگرمیوں کی تفصیل۔ مجیب کی عوامی لیگ نے کیا کچھ کیا تھا، اس کا تذکرہ قرطاس

میں الگ کیا گیا ہے، ہمیں افسوس ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ سے اسے ہم شائع نہیں کر رہے اگرچہ اس سلسلہ میں اسکی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ اس دوران میں اور اسکے بعد مشرقی پاکستان کی بے کس و بے بس، بے یار و مددگار آبادی پر کیا گزری، اس کی تفصیل چند صفحات آگے چل کر آپکے سامنے آئیگی۔ قرطاس کے آخری باب میں یہ کہا گیا ہے کہ،

> اس وائٹ پیپر میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں اور جو دستاویز شامل ہیں انکے غیر جانبدارانہ مطالعہ سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ صدر نے حتی المقدور یہ کوشش کی کہ مختلف پارٹیوں کے درمیان اتفاق رائے ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر صحیح معنوں میں وفاقی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ صدر چاہتے تھے کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کیا جا سکے۔ جس حد تک بھی ممکن تھا انہوں نے عوامی لیگ سے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا اور سرکاری احکامات کو منوانے میں اتنی تاخیر کی کہ آج یہ نظر آ رہا ہے کہ ہم تباہی کے غار میں گرنے والے تھے۔

للہ الحمد کہ ہمارے سرفروش فوجی جیالوں نے اپنی جانیں دے کر مملکت کو تباہی کے غار میں گرنے سے بچا لیا۔ قوم ان کے اس احسان کا بدلہ دے ہی نہیں سکتی۔

(۹)

یہ ہے اس مجیب الرحمٰن کا کردار جس کے خلاف اس وقت مقدمہ زیر سماعت ہے۔ اس کا جو فیصلہ ہوگا اس کے متعلق ہم نہ کچھ کہہ سکتے ہیں نہ ہی کچھ کہنا چاہیے۔ لیکن اس وقت ساری دنیا کی پاکستان دشمن طاقتوں کیطرف سے مجیب کی رہائی کے لئے جس قدر دباؤ ڈالا جا رہا ہے، اگر ہم اس سے متاثر ہو گئے، اور ایک بار پھر وہی ہوا جو اگرتلہ کیس میں ہوا تھا، تو اس کا انجام کیا ہوگا، اسے سمجھنے کے لئے کسی افلاطون کے دماغ یا کسی نجم کے زائچے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیں اس مملکت پاکستان سے ہاتھ دھو لینے پڑینگے۔ یٰلیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا۔

پاکستان دشمن بیرونی طاقتوں نے تو یہ دباؤ ڈالنا ہی تھا اسلئے کہ وہ پاکستان کو دنیا کے نقشے پر دیکھنا گوارا ہی نہیں کر سکتیں۔ لیکن اس باب میں خود ہمارے لیڈران کرام کا موقف بھی بڑا معنی خیز ہے۔ انہوں نے اس دفعہ اگرتلہ کیس کیطرح مجیب کی رہائی کا مطالبہ تو نہیں کیا، لیکن اس باب میں وہ جس طرح پہاڑ کی سی خاموشی اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ ان کی مصلحت کوشیوں کی غماز ہے۔ اب تو خیر مجیب کیخلاف مقدمہ شروع ہو گیا ہے اس سے پہلے بھی ان میں سے کسی نے مجیب کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے، ایک لفظ تک نہیں کہا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ان میں سے کوئی بھی "بنگالیوں" کی مخالفت مول لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ انہیں اس کا احساس ہے کہ مجیب زندہ ہے یا نہیں) اسکے خلاف لب کشائی سے یہ لوگ ان کی (بنگالیوں کی) نگاہوں میں محبوب نہیں رہ سکتے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ مساوات (PARITY) اٹھ جانے کیوجہ سے پاکستان میں حکومت بہرحال "بنگالیوں" نے کرنی ہے۔ اس لئے ان سے کوئی بگاڑنا نہیں چاہتا۔ بگاڑنا تو ایکطرف، ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ انہیں ان کی زیادہ سے زیادہ تائید حاصل ہو جائے۔ ان کی تائید حاصل کرنے کا یہی وہ جذبہ ہے جس کے تابع یہ نعرہ دیا جا رہا ہے کہ عوامی لیگ کے تمام کے تمام منتخب شدہ ارکان کی رکنیت کو کالعدم نہ قرار دیا جائے حالانکہ، قرطاس میں عوامی لیگ کی جن سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ عوامی لیگ کے منتخب ارکان ہی کو نہیں، اس پارٹی کے ممبروں اور اسکے متعلقین تک کو پاکستان دشمن قرار دینے کے لئے کافی شہادت ہے۔ بعض سیاسی پارٹیوں کا مطالبہ تھا اور ہے کہ عوامی لیگ کے جملہ منتخب اراکین کی رکنیت کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔ لیکن ان کا یہ مطالبہ، پاکستان کو دست برد اعداء سے محفوظ رکھنے کے جذبہ پر مبنی نہیں۔ اس میں خود ان کا اپنا مفاد مضمر ہے۔ یہ وہ پارٹیاں ہیں جو سابقہ الیکشن میں شکست کھا گئیں۔ اس کے بعد ان کی ساری کوششیں

اس نقطہ پر مرکوز رہیں کہ کسی نہ کسی طرح، ۱۹۷۰ء کے جملہ انتخابات کو کالعدم قرار دلا دیا جائے تاکہ جدید انتخابات میں انہیں کچھ زیادہ نشستیں مل سکیں۔ جماعتِ اسلامی مشرقی پاکستان کے زہرہ گداز واقعات کو اس تکرار و اصرار سے شائع کر رہی ہے تو اس کا جذبۂ محرکہ مظلوم انسانیت کے ساتھ ہمدردی نہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اس طرح عوامی لیگ کے خلاف فضا قائم کر کے، وہاں کے انتخابات کو کالعدم قرار دلا دیا جائے، اور جب وہ کالعدم قرار پا جائیں تو پھر مغربی پاکستان کے انتخابات کو کالعدم قرار دینے کی تحریک چلائی جائے۔ (واضح رہے کہ یہ مطالبہ طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کیا گیا تھا کہ عوامی لیگ کے انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا جائے لیکن مغربی پاکستان کے انتخابی نتائج میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے)۔

طلوعِ اسلام عملی سیاست میں حصہ لیتا ہے اور نہ ہی اس کا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے ہے۔ اس کی اپنی بھی کوئی سیاسی پارٹی نہیں۔ اس لئے یہ اگر مملکت سے متعلق کسی تجویز یا فیصلہ کی تائید یا مخالفت کرتا ہے تو اس کا جذبۂ محرکہ اسکا کوئی اپنا ذاتی مفاد نہیں ہوتا۔ اسکے سامنے مقصد صرف ایک ہے، اور وہ ہے پاکستان کی حفاظت اور سالمیت تاکہ اس خطۂ زمین میں قرآنی نظام کی تشکیل ہو سکے۔ اس کی تائید یا تردید کی بنیاد صرف یہ جذبہ ہوتی ہے جو کچھ ہم آئندہ سطور میں عرض کر رہے ہیں اس کا جذبۂ محرکہ بھی یہی ہے۔

اس وقت ملک جس بحران سے گذر رہا ہے، اس کے حل کے لئے جو سیاسی تدابیر چاہے اختیار کر لیجئے لیکن وہ حل صرف عارضی اور ہنگامی ہوگا۔ اس کے مستقل حل کے لئے ہمیں تجسس کو ایک اور گوشے کی طرف لے جانا ہوگا۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ (۱۳/۱۱) قوموں کی تبدیلیٔ احوال، ان کی نفسیاتی تبدیلی (PSYCHOLOGICAL CHANGE) پر موقوف ہوتی ہے۔ دوسری قوموں کے عروج و زوال کے سلسلہ میں اس ابدی اصول کے اطلاق کے لئے شاید کچھ زیادہ گہری تحقیق کی ضرورت ہو، لیکن ہمارے موجودہ مسئلہ کے سلسلہ میں اس باب میں کچھ زیادہ تدقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں۔ بادنیٰ تدبر یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ ہمارے بنگالی بھائیوں کا مسئلہ نہ سیاسی ہے نہ معاشی۔ یہ مسئلہ خالصۃً نفسیاتی ہے۔ اس تحقیق کی رو سے ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، ممکن (بلکہ اغلب ہے) کہ یہ حقیقت ہمارے ان بھائیوں کو ناگوار گزرے، لیکن جب ہمارے پیشِ نظر مرض کا حقیقی علاج ہے تو اس خیال سے اس کی تشخیص سے اغماض برتنا یا اس لئے اخفا میں رکھنا کہ اس کا اظہار مریض پر گراں گزرے گا، خود مریض سے کچھ ہمدردی نہیں ہوگا۔ صحیح علاج کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی تشخیص کے نتیجہ کو کھلے کھلے الفاظ میں بیان کر دیں ــــ ہماری تشخیص یہ ہے کہ کئی صدیوں کی تاریخی، سیاسی اور جغرافیائی عوامل نے ہمارے بنگالی بھائیوں کی ذہنیت کو بالعموم اس قالب میں ڈھال دیا ہے جسے سائیکالوجی کی اصطلاح میں احساسِ کمتری (INFERIORITY COMPLEX) کہا جاتا ہے۔ اس مرض کا شکار اپنی خامیوں، کمزوریوں اور پست حالیوں کا ذمہ دار اپنے آپ کو قرار دینے کے بجائے، خارج میں کوئی حریف تراش لیتا ہے، اور اپنی ہر پستی کا ذمہ دار اسے قرار دے کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتا ہے۔ اس تصوراتی حریف کے خلاف اس کے دل میں نفرت اور انتقام کے جذبات پرورش پاتے رہتے ہیں۔ چونکہ وہ اس سے بدلہ لینے کی فکر کرتا ہے تو کھلے بندوں اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتا، اس لئے اس کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے، اور جو قوت اس سازش میں اس کی مدد کرتی ہے اسے اپنا دوست سمجھتا ہے۔ یہی وہ ذہنیت تھی جس کی وجہ سے ہمارے ان بھائیوں نے مغربی پاکستان کو اپنا حریف تصور کر لیا۔ ہم نے ان کی اس نفسیاتی کمزوری کے دفعیہ کے لئے کوئی کوشش نہ کی ــــ ہم نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی ــــ لیکن ہندو کی نگہِ دوربیں نے اسے بھانپ لیا اور اپنی دوستی کا یقین دلا کر، مغربی پاکستان کے خلاف ان کے جذباتِ نفرت و انتقام کی آگ کو بھڑکاتے رہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ مغربی پاکستان کی طرف سے بھی کچھ کوتاہیاں اور غلط اندیشیاں ہوئیں جن سے اس آگ کو ہوا ملی، لیکن اس کا حقیقی سبب وہی تھا جس کا ذکر ہم نے ابھی ابھی کیا ہے۔

اس مقام پر ایک تمہیدی نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ مغربی تصورِ قومیت اور نظامِ جمہوریت' انسانوں کے گروہوں میں نفرت وانتقام کا بیج بونے کیلئے شجرۂ الزقوم کا حکم رکھتے ہیں۔ اس قومیت کی بنیاد' وابستگی خویشیں (GREGARIOUSNESS) سے کہیں زیادہ غیروں کے خلاف عداوت اور نفرت (EXCLUSIVENESS) پر استوار ہوتی ہے۔ ہمارے بنگالی بھائیوں نے' نسل کو قومیت کا مدار قرار دیا تو ان کے دل میں ہر غیر بنگالی کے خلاف نفرت اور انتقام کے جذبات پرورش پانے لگے۔

جہاں تک نظامِ جمہوریت کا تعلق ہے' اس میں اکثریتی پارٹی' اقلیت پر حکومت کرکے اپنے جذبۂ تسلط وتغلب کی تسکین کا سامان فراہم کر لیتی ہے۔ عام جمہوریت میں یہ جذبہ زیادہ شدت اختیار نہیں کرتا کیونکہ اکثریتی پارٹی کو اس کا احساس ہوتا ہے کہ کل کو وہ اقلیت میں بھی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر جمہوریت ایسی ہو جس میں اکثریتی پارٹی مستقل طور پر اکثریت میں رہے اور اقلیت کے لئے اس کا امکان ہی نہ ہو کہ وہ کبھی اکثریت بن سکے، تو پھر اکثریتی پارٹی کا جذبۂ تغلب اپنی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اسے غیر متبدل جمہوریت (INCONVERTIBLE DEMOCRACY) کہتے ہیں۔ ہندوستان میں جمہوریت کی یہی وہ شکل تھی جس سے ہندو' ابدی طور پر' مسلمان کو اپنے جذبۂ تغلب کی ہوس کا شکار بنائے رکھنا چاہتا تھا۔ اگر ہم وہاں رہ جاتے تو نہ ہم قیامت تک اکثریت میں آسکتے اور نہ ہی ان کے پنجۂ استبداد سے رہائی پا سکتے۔ اس نظام میں استبداد تو ڈکٹیٹرشپ سے بھی زیادہ سخت گیر ہوتا ہے، لیکن بالادست قوتوں کی فریب دہی اسے جمہوریت کا نام دے کر' اس استبداد کو آئینی جواز عطا کر رکھا ہے جس کے خلاف کوئی آواز تک نہیں اٹھا سکتا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان میں (PARITY) کے اصول کو ختم کر دینے کا جذبہ کتنا ہی نیک نیتی اور غیر متکالی پر مبنی کیوں نہ ہو' اس کا عملی نتیجہ' (INCONVERTIBLE DEMOCRACY) ہے جس کی رُو سے' مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان پر مستقلاً اور ابدی طور پر' بالادستی حاصل رہتی ہے۔ اس سے ہمارے بنگالی بھائیوں کے دل میں اس جذبہ نے انگڑائی لی کہ اب ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مغربی پاکستان پر حکومت کرکے' ان سے اپنا انتقام لے سکیں گے۔ احساس کمتری سے مغلوب ہو کر جب اپنے حریف سے انتقام لینے کا امکان نظر آئے اور اس کا موقعہ ملے تو اس کے بھڑکنے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ (PARITY) ختم ہونے کے بعد پہلے انتخابات نے انہیں یقین دلا دیا کہ اب ہم مغربی پاکستان پر اپنی حکومت مسلط کر سکیں گے۔ لیکن جب ان سے کہا گیا کہ یہ حکومت' بہرحال آئینی پابندیوں کے تابع رہے گی اور آئین' بنگالی اور غیر بنگالی مل کر بنائیں گے تو' اسی احساس کمتری کی وجہ سے' انہوں نے تصور کر لیا کہ یہ ان کے خلاف کوئی بہت بڑی سازش ہو رہی ہے۔ ان کے اس خیال کو وہاں کے مفاد پرستوں کے گروہ اور بھارت کی حکومت نے مسلسل پراپیگنڈے سے تقویت پہنچائی اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہمیں ایسے آئین کی ضرورت ہی نہیں جو ہمارے حقِ حکومت پر پابندیاں عاید کرے۔ ہم آزاد ہیں، ہم اپنا آئین آپ مرتب کریں گے۔ تم ہمارے معاملات میں دخل دینے والے ہوتے کون ہو؟ — اور ان کی اس "جرأت" کی بنیاد' ہندو کا یہ وعدہ اور اس کا عملی ایفا تھا کہ ہماری فوجی طاقت تمہاری پشت پر ہے۔

یہ تھا جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا ہے۔ وہاں' وحشت اور درندگی کے واقعات کی جو تفاصیل باہر آئی ہیں آپ ان پر ایک نظر ڈالئے صاف دکھائی دے گا کہ اس میں جوشِ انتقام انسانی حدود سے لا انتہا درجہ تک تجاوز کر گیا تھا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ کو سنگینوں کے کچوکے دے دے کر ہلاک کرنا، بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، زندہ انسانوں کی کھال کھینچ لینا، انہیں زندہ جلا دینا، انکی آنکھیں نکال لینا، ان کا خون نچوڑ لینا۔ ماؤں کو مجبور کرنا کہ وہ اپنے بچوں کا خون پئیں — یہ سب حرکات کس نفسیاتی

(باقی صفحہ ۳۹ پر ملاحظہ ہو)

رنگینیٔ خونِ شہداء

——— غازۂ حسنِ کائنات

سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد

(گزشتہ پیوستہ)

سائنس کے انکشافات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ زندگی اپنے اولین جرثومہ سے لیکر پیکرِ انسانی تک، جن وادیوں میں سے گزری، اس میں اس کا مختلف اقسام کے تخریبی عناصر سے ٹکراؤ ہوا۔ جس نوع میں مخالف قوتوں پر غالب آجانے کی صلاحیت تھی وہ آگے بڑھ گئی ——— یعنی سلسلۂ ارتقاء کی اگلی منزل میں پہنچ گئی ——— جو ان قوتوں سے مغلوب ہو گئی وہ وہیں رک گئی یا آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ اس قسم کی انواع، مستثنیات میں سے تھیں۔ بہ حیثیت مجموعی، تعمیری قوتیں، تخریبی قوتوں پر غالب آتی رہیں.... اس طرح کاروانِ حیات، اپنی ارتقائی منازل طے کرتا، آگے بڑھتا چلا آیا، تا آنکہ وہ منزلِ آدمیت میں پہنچ گیا۔ تخریبی اور تعمیری قوتوں کے اس باہمی تصادم کو قرآن کریم نے حق و باطل کا ٹکراؤ کہہ کر پکارا ہے ——— حق کے معنی تعمیری قوت ہیں اور باطل سے مراد تخریبی عنصر ——— سورۃ الانبیاء میں ہے۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (۲۱/۱۸) ہم باطل پر حق کی ضربیں لگاتے رہتے ہیں تا نکہ حق، اس باطل کا بھیجہ نکال دیتا ہے۔ اور اس طرح باطل میدان چھوڑ کر بھاگ اٹھتا ہے اور حق فاتح و منصور آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خود نوعِ انسان کا وجود اس حقیقتِ کبریٰ کی شہادت ہے۔ یعنی زندگی جن منازل میں سے گزری ہے، ان میں اس قدر مہیب تخریبی قوتیں تھیں کہ ان پر غالب آکر آگے بڑھ جانا، بڑا دشوار گزار مرحلہ تھا۔ لیکن چونکہ ربوبیتِ خداوندی کا پلان یہ تھا کہ زندگی آگے بڑھے، اس لئے وہ بہ حیثیت مجموعی زندہ و پائندہ رہی اور اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی موجودہ سطح بشریت تک آ پہنچی۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ

سورۃ اعراف کی وہ آیۂ جلیلہ، جسے تصوف کی مستی، اندیشہ ہائے افلاکی نے لاہوتی چیستاں بنا کر رکھ دیا ہے، اسی حقیقت کی پردہ کشا ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا ...... (۷/۱۷۲) بنی آدم کی نسل کا جو سلسلہ اس قدر تخریبی قوتوں کے علی الرغم، باین حسن و خوبی رواں دواں جاری و ساری ہے، زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ کائنات میں خدا کی ربوبیت کا پلان، سرگرمِ عمل ہے۔ ورنہ اگر تخلیقِ کائنات محض اتفاقیہ امر (CHANCE) کا نتیجہ ہوتی، تو ارتقاء کی یہ کڑیاں اس حسنِ ترتیب و ترتیل کے ساتھ منصۂ شہود پر نہ

آئین اور زندگی پیکرِ انسانی کی تقویمِ احسن کبھی اختیار نہیں کر سکتی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کی نمود اور ارتقاء کے لئے یہ سلسلۂ تصادم و تزاحم کیوں تجویز کیا گیا۔ یہ سوال درحقیقت اس عظیم سوال کا ایک گوشہ ہے کہ کارگہِ کائنات کو وجود میں کیوں لایا گیا، اسے ایسا کیوں بنایا گیا، اس کا مقصد کیا ہے اور مآل کیا۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب انسانی ادراک کے لئے ممکن نہیں۔ نہ ہی اس مسئلہ کی تشریحات میں جانے کا یہ موقعہ ہے۔ اس مقام پر ہم اتنا بتا دینا کافی سمجھتے ہیں کہ کسی شے کی مضمر قوتیں مشہود شکل میں سامنے آ نہیں سکتیں جب تک کسی مخالف قوت سے اس کا ٹکراؤ نہ ہو۔ یہ وہ چقماق ہے جس کے اندر پوشیدہ چنگاری اُسی وقت ظہور میں آ سکتی ہے جب اُسے دوسرے پتھر سے ٹکرایا جائے۔ یہ وہ رباب کی تاریں ہیں جن کے اندر سوئی ہوئی موسیقی، بلا ضربتِ مضراب، وجۂ فردوسِ گوش نہیں بن سکتی۔ یہ وہ نہر ہے جس کے پانی کی روانی قائم نہیں رہ سکتی جب تک وہ کسی ٹھوکر (FALL) سے ٹکرائے نہ۔

جہاد کا مفہوم

قرآن کریم نے زندگی کی اس جد و جہد کو جہاد کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ ہمارے ہاں جہاد سے مراد وہ جنگ لی جاتی ہے جو دشمن کے خلاف میدانِ کارزار میں لڑی جائے۔ لیکن قرآن کریم اس اصطلاح کو میدانِ جنگ کی حدود میں مقید نہیں کرتا۔ اس کی رو سے جہاد انسانی زندگی کی ہر سانس میں، ہر مقام پر، ہر حالت میں کارفرما رہتا ہے۔ یہ مسلسل جد و جہد کا نام ہے جو زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے لئے ہر وقت جاری رکھی جاتی ہے۔ یہ ہر مخالف قوت کا، ہر ممکن طریق سے مقابلہ کرنے اور اس پر غالب آنے کا نام ہے۔ اس کی آخری شکل وہ ہے جسے جنگ کہا جاتا ہے اور جسے قرآن نے قتال کہہ کر پکارا ہے۔

جب قرآن کریم ہر مومن کے لئے مجاہد ہونا لازمی شرط قرار دیتا ہے تو اس سے مراد میدانِ جنگ میں لڑنے والا سپاہی ہی نہیں۔ اس کا مطلب، زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ میں مصروفِ جد و جہد اور سرگرمِ عمل رہنے والا، حرکت اور حرارت کا پیکر مردِ خدا ہے۔ قرآن کریم نے مجاہدین کے مقابلہ میں قاعدین کا لفظ لا کر اس کا مفہوم واضح کر دیا ہے۔ سورۃ نساء میں ہے۔ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۔ مومنوں میں سے قاعدین (بجز اس کے کہ وہ کسی وجہ سے معذور ہوں) مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے۔ قاعد کے معنی ہوتے ہیں بیٹھا رہنے والا، یا کسی کام میں سستی اور تاخیر کرنے والا۔ قرآن کریم کی رو سے 'بیٹھے رہنے والے' یا سست خرام لوگ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کی راہ میں مصروفِ جد و جہد اور مشغولِ حرکت و حرارت رہیں۔ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۔ ۔ ۔ ۔ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (۴/۹۵) خدا نے مجاہدین کو قاعدین کے مقابلہ میں بلند درجہ اور اجرِ عظیم عطا کیا ہے۔ دیکھئے۔ یہاں مجاہدین صرف انہی کو نہیں کہا جو اپنی جانوں کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ اس نے ان لوگوں کو بھی مجاہدین کہا ہے جو اپنے مال و دولت کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو زندگی کے ہر گوشے میں، اس مقصد کے حصول کے لئے جو خدا نے مقرر کیا ہے، ہر آن مصروفِ سعی و کاوش رہتے ہیں اور جب مخالفین کے ساتھ ٹکراؤ کا آخری مرحلہ سامنے آتا ہے تو شمشیر بدست اور کفن بدوش میدانِ جنگ میں باہر نکل آتے ہیں۔ اور یہ جہاد کا بلند ترین مقام اور افضل ترین درجہ ہے۔

ہجرت سے مقصود

زندگی کی اس جد و جہد کا پہلا مرحلہ وہ ہے جس میں انسان کو حصولِ مقصد کی خاطر بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ آرام و آسائش کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ خورد و نوش کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ گھر بار کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اہل و عیال اور خویش و اقارب کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی دلکش اور جاذبِ نگاہ چیزوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر دیکھا جائے کہ اپنے مشن کی کامیابی کے لئے اپنے وطن کے مقابلہ میں کوئی دوسری جگہ زیادہ سازگار ہے تو وطن کو بھی ترک کر دینا پڑتا ہے۔ زندگی کی ان آسائشوں اور دامن کشیوں کو چھوڑ دینا' قرآن کی اصطلاح میں ہجرت کہلاتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس طرح میدانِ جنگ میں قتال بھی جہاد کہلاتا ہے' اسی طرح ہجرت کا لفظ بھی عام طور پر ترکِ وطن کے لئے بولا جاتا ہے لیکن جس طرح جہاد کو میدانِ جنگ تک محدود کر دینا صحیح نہیں' اسی طرح ہجرت کو محض ترکِ وطن قرار دے دینا بھی اس کے وسیع مفہوم کو مقید کر دینا ہے۔ ہجرت ہر اس شے سے کنارہ کشی کے مرادف ہے جو حصولِ مقصد کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے اور اس کی آخری شکل ترکِ وطن ہے۔ سمجھنے کے لئے یوں کہیے کہ ہجرت' دین کے عظیم پروگرام کا حصہ لآ ہے اور جہاد اس کا مرحلہ الّا۔ مردِ مومن جسے خدا کا سپاہی کہنا چاہیئے) مہاجر بھی ہوتا ہے اور مجاہد بھی۔ دیکھئے' قرآن کریم نے اس حصہ لآ (یعنی ہجرت) کی وضاحت کس انداز سے کی ہے جب کہا ہے کہ قُلْ - اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارے ماں باپ اور اولاد۔ تمہارے خویش و اقارب اور بیویاں، تمہارے اہل خاندان اور مال و دولت تمہارا کاروبار جس کے مندا پڑ جانے سے تم اس قدر خائف ہوتے ہو اور تمہارے محلات جنہیں تم اس قدر پسند کرتے ہو' اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ جِہَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ - ان میں سے کوئی شے بھی تمہارے نزدیک خدا اور رسول، اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ محبوب ہو گئی' تو فَتَرَبَّصُوۡا انتظار کرو حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ - تا آنکہ تمہارے متعلق خدا کا فیصلہ تمہارے سامنے آ جائے۔ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ - (۹/۲۴) مقصدِ خداوندی کے حصول کے راستے میں اگر ان میں سے کوئی شے بھی تمہاری دامن گیر ہو گئی تو اسے فسق کہا جائے گا۔ اور قومِ فاسقین پر کشادگی راہیں کبھی نہیں کھلتیں۔ آپ نے غور فرمایا کہ ہجرت کا مرحلہ لآ کس طرح جہاد کے لئے شرطِ اولین (PRE - REQUISITE QUALIFICATION) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں حصے ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہیں جس شخص کا دامن راستے کی خاردار جھاڑیوں میں الجھ کر رہ جائے' وہ منزلِ مقصود تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اقبال کے الفاظ میں ؎

ہجرت آئینِ حیاتِ مسلم است　　　　این ز اسبابِ ثباتِ مسلم است

ثباتِ زندگی' جدوجہد کا فطری نتیجہ ہے' اور اس جدوجہد کا مرحلہ اولین' ہر اس شے سے قطع تعلق کر لینا ہے جو اس کے راستے میں حائل ہوتی ہو۔

مہاجرین اور مجاہدین

یہ وجہ ہے کہ قرآن نے مہاجرین اور مجاہدین کو ایک ہی سکہ کے دو رُخ' اور ایک ہی حقیقت کے دو گوشے قرار دیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِہِمۡ وَ اَنۡفُسِہِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ - (۹/۲۰)، جن لوگوں نے قوانینِ خداوندی کی صداقت کا اقرار کیا۔ پھر اس کی راہ میں جس چیز کو چھوڑنے کی ضرورت پڑی، اسے بلا تکلف و بلا تامل چھوڑ دیا۔ اور حصولِ مقصد کے لئے اپنے مال اور جان سے مصروفِ جدوجہد رہے۔ خدا کے ہاں ان کے درجات بہت بلند ہیں اور یہی لوگ ہیں جنہیں کامیاب و کامران کہا جائے گا۔ نہیں! ایک قدم اور آگے بڑھیئے اور جو کچھ سورۂ انفال میں کہا گیا ہے اسے بڑے غور سے سنیئے۔ کہا ہے۔ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰہَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ - (۸/۷۴)، جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے انہیں ٹھکانا دیا اور ان کی ہر طرح سے مدد کی' یہ سب سچے اور سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہی مومن حقا ہیں۔ اس سے ذرا پہلے اس کی بھی وضاحت

کر دی کہ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا (۸/۷۲) جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن انہوں نے (بلا عذر) ہجرت نہیں کی۔ تو ان کی حفاظت کا ذمہ تمہارے اوپر عاید نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں۔ یہ اس لئے کہ، جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، ہجرت جہاد کی منزلِ اولیٰ ہے۔ جو اس منزلِ اول میں پورا نہیں اترتا، وہ منزلِ دوم میں کیا کریگا!

ان تصریحات سے واضح ہے کہ مومن کی زندگی ہجرت اور جہاد سے ترتیب پاتی ہے۔ یعنی اس کے لئے جو مقصد خدا نے مقرر کر دیا ہے (یعنی دنیا میں قرآن کے نظامِ حق و صداقت کو قائم کرنا اور غالب رکھنا) اس کے راستے میں جو شے حائل ہوتی ہو، اسے بلا تامل چھوڑ دینا اور اس مقصد کے حصول کے لئے مثبت طور پر ہر قسم کی جد و جہد کرنا، حتیٰ کہ اگر اس کے لئے جان بھی دینی پڑے تو، اسے بھی بلا تذبذب و بلا توقف حاضر کر دینا۔

اس مقصد کی خاطر جان دینے کو خدا نے بلند ترین عمل اور منتہائے جہاد قرار دیا ہے اور یہ حقیقت بالکل واضح ہے۔

جان دے دینا

انسان (بلکہ حیوانات) کے متعلق جس قدر تحقیقات عمل میں آئی ہیں، ان کا ایک نتیجہ ایسا ہے جسے متفق علیہا اور ہر اعتبار سے یقینی قرار دیا جاتا ہے۔ وہ نتیجہ یہ ہے کہ تحفظِ خویش (PRESERVATION OF SELF) زندگی کا اولین، بنیادی اور اٹل تقاضا ہے۔ یعنی زندگی جہاں بھی ہے وہ ہر حال میں، اور ہر قیمت پر اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے۔ زندگی کے اولین جرثومہ سے لے کر حیوانات تک، ان کا انفرادی اور اجتماعی مقصد تحفظِ خویش (اور اس کے بعد افزائشِ نسل) سے زیادہ کچھ نہیں۔ بلکہ یوں کہیئے کہ افزائشِ نسل بھی درحقیقت، تحفظِ خویش ہی کا ایک ذریعہ ہے۔ یعنی یہ انواع اپنے افراد کے طبیعی خاتمہ کے بعد، اپنا تحفظ اور بقاء اپنی نسل کے تسلسل سے قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ ان کے سامنے اس سے بلند مقصد اور کوئی نہیں۔ انسان کی طبیعی زندگی بھی حیوانی زندگی ہوتی ہے اور اس کے تقاضے بھی وہی جو دیگر حیوانات کی زندگی کے تقاضے ہیں۔ ان میں جیسا کہ ابھی ابھی کہا گیا ہے، تحفظِ خویش کا تقاضا اساسی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے لیکن انسانی زندگی، حیوانی زندگی سے ایک حیثیت سے متمیز ہے، اور وہ یہ کہ انسان کے سامنے طبیعی تقاضوں کے علاوہ، اور ان سے بلند ایک اور تقاضا بھی ہے اور وہ تقاضا ہے نظامِ حق و صداقت کو بلند اور غالب رکھنا۔ جن علائق کو ہم نے اس راستے میں رکاوٹیں کہا ہے، وہ درحقیقت وہ مقامات ہیں جہاں زندگی کے کسی طبیعی تقاضے اور انسانیت کے اس بلند مقصد میں ٹکراؤ واقع ہوتا ہو۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ان طبیعی تقاضوں کو چھوڑتے چلے جانا، ہجرت ہے لیکن اس تصادم میں آخری مقام وہ آجاتا ہے جس میں خود زندگی اور اس بلند مقصد میں تصادم واقع ہو جاتا ہے یعنی اس مقصد کے حصول کے لئے جان دے دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے چونکہ تحفظِ خویش، زندگی کا بنیادی تقاضا ہے، اس لئے یہ مقام، بڑی سخت آزمائش کا ہوتا ہے۔ اور جو یہاں پورا اترے، وہ طبیعی اور حیوانی زندگی کی سطح سے بلند ہو کر زندگی کی اگلی ارتقائی منزل میں پہنچنے کے قابل قرار پا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسے دعویٰ ایمان کے پرکھنے کا معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسلامی نظام کے مخالفین سے کہا کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۲/۹۴) اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔

ایمان سے کیا مراد ہے

سوال یہ ہے کہ وہ ایمان، وہ دعویٰ کیا ہے جس کی صداقت کے پرکھنے کا معیار، موت کی تمنا قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ ایک نظریۂ زندگی یہ ہے کہ انسانی زندگی بھی، دیگر حیوانات کی طرح، بس طبیعی زندگی ہے۔ انسان بھی حیوانات کی طرح کھاتا پیتا، سوتا جاگتا، افزائشِ نسل کرتا اور اس کے بعد مر جاتا ہے، اور موت کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس نظریۂ حیات کو وہ کفر کہہ کر پکارتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعَامُ۔ (۴۷/۱۲) کفر کا شیوہ اختیار کرنے والوں کا انداز یہ ہے کہ وہ حیوانات کی طرح کھاتے پیتے اور دیگر سامانِ دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہیں (اور اس کے بعد مر جاتے ہیں) ان کے برعکس مومن کی کیفیت یہ ہے کہ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (۲/۴) وہ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ موت سے زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ زندگی ایک جوئے رواں کی طرح، آگے ہی آگے بڑھتی ہے اور خدا کی وحی وہ ضابطۂ حیات عطا کرتی ہے جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان، زندگی کی اگلی ارتقائی منزل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جس شخص کے نزدیک، زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہو اس کے لئے تحفظِ خویش، بنیادی اور آخری مقصدِ حیات ہوگا وہ کبھی مرنا نہیں چاہے گا۔ وہ موت سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ اور یہ جاننے کے باوجود کہ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ (۴/۷۸)، تم کہیں بھی ہو، موت تمہیں ضرور پکڑ لے گی، موت سے کسی حالت میں بھی مفر نہیں۔ اس نے آکر رہنا ہے۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود موت سے جان بچانے کو بھاگے پھرے گا۔ اور اس کے سامنے آنے کے احساس سے ہر وقت ترساں و لرزاں رہے گا۔ اس کے برعکس ایمان بالآخرت کا حامل، موت کو ایک نئی منزل میں داخل ہونے کا دروازہ سمجھیگا اور تبسم بر لب اس کا استقبال کریگا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ خطرے میں ڈال کر موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایسا وقت آ جائے کہ اسے حق و صداقت کے تحفظ، اور اعلائے کلمۃ اللہ (خدا کے متعین کردہ نظریۂ حیات کے غلبہ و کامرانی) کے لئے جان تک بھی دینی پڑے، تو جان بچانے کی خاطر بھاگ نہیں جائے گا، وہ مردانہ وار موت کا سامنا کریگا اور ہنسی خوشی جان دے دیگا۔ یوں موت کی تمنا اس کے دعوائے ایمان کی صداقت کی شہادت قرار پا جائے گی۔

شہادت

اس طرح جان دینے والوں کو جو عام اصطلاح میں شہید کہا جاتا ہے تو وہ اسی لئے کہ ان کی موت ان کے دعوائے ایمان کی شہادت (گواہی) دیتی ہے۔ کشمکشِ حیات میں موت کے ڈر سے راہِ فرار اختیار کرنے والوں کو قرآن مردے کہہ کر پکارتا ہے۔ ایسے مردے جو اپنی لاشیں اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ۔ تم نے ان کی حالت پر بھی غور کیا جو اگرچہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، لیکن جب دشمن کے ساتھ مقابلہ کا وقت آیا تو اپنا گھر بار چھوڑ کر موت کے ڈر سے بھاگ اٹھے۔ وہ بھاگ اٹھے تو فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا۔ (۲/۲۴۳) خدا کے قانونِ مکافات نے انہیں پیچھے سے آواز دی کہ تم موت کے ڈر سے بھاگ نکلے ہو، اور یوں اپنے آپ کو زندہ خیال کرتے ہو، یہ تمہاری خام خیالی اور خوش فہمی ہے۔ تم سانس ضرور لیتے ہو، لیکن موت تو تم پر طاری ہو چکی ہے۔ تمہارا شمار زندوں میں نہیں ہو سکتا۔ تم مردہ ہو۔ ان کے برعکس جو لوگ حق و باطل کی کشمکش میں اعلائے حق کی خاطر جان دے دیں، ان کے متعلق کہا کہ اگرچہ طبیعی نقطۂ نگاہ سے وہ مر چکے ہیں، بَلْ اَحْيَآءٌ (۲/۱۵۴)، لیکن وہ درحقیقت زندہ ہیں۔ انہیں تم مردہ مت سمجھو۔ مردہ مت کہو۔ (۳/۱۶۹) قرآن کی دعوت، انسان کو موت کے خوف سے نجات دلا کر حیاتِ ابدی عطا کرنے کی دعوت ہے۔ اسی لئے اس نے کہا کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (۸/۲۴) تم خدا اور رسول کی اس دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں حیاتِ ابدی عطا کرنے کی ضمانت دیتی ہے۔ قرآنِ کریم نے اس زندگی کو قابلِ رشک، حیاتِ خوش آئند اسی لئے کہا ہے کہ اس میں موت کا خوف دامنگیر نہیں ہوگا۔ بالفاظِ دیگر، اس قسم کی موت مرنے والا، خود نہیں مرتا بلکہ موت کو مار دیتا ہے، اور فاتح و منصور، رقصاں و فرحاں یہ پکارتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے کہ فَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ۔ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى (۳۷/۵۸-۵۹) ہم نے اس طرح مر کر، موت کو مار دیا ہے۔ اب ہم کبھی

جنت کا راستہ

نہیں رہ سکتے۔ اسی کو جنت کی زندگی کہتے ہیں جس تک پہنچنے کا راستہ، باطل کی قوتوں کے ساتھ تصادمات و تزاحمات سے پٹا پڑا ہے۔ اسی لئے کہا کہ:

کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ تم ہنوز ان جاں گداز اور صبر آزما مراحل ہی سے نہیں گزرے جن میں سے ان لوگوں کو گزرنا پڑا تھا جو تم سے پہلے ان راستوں پر چلے تھے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ سختیاں اور مصیبتیں انہیں ہر طرف سے گھیر لیتیں۔ شدائد و مشکلات سے ان کا دل دہل جاتا۔ یہاں تک کہ وہ اور ان کا رسول پکار اٹھتے کہ بار الٰہا! ہماری کوششوں کے بار آور ہونے کا وقت کب آئے گا۔ ایسے ہمت شکن اور جرأت آزما تصادمات کے بعد کہیں جا کر ان کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ (۲/۲۱۴)

تمہیں بھی جنت میں داخل ہونے کے لئے، انہی مراحل میں سے گزرنا ہوگا۔

دوسری جگہ ہے۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (۳/۱۴۲) کیا تم یہ خیال کئے بیٹھے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ تم میں سے مجاہد کون ہے اور کون کس حد تک مشکلات اور مصائب میں ثابت قدم رہتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے، یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ قرآن کریم کی ان (اور اسی قسم کی دوسری) آیات کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص جنگ کی مشکلات و صعوبات سے دوچار نہیں ہوتا وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص (حتیٰ کہ ایک قوم) کی زندگی میں جنگ کا موقعہ ہی نہ آئے۔ خود نبی اکرمؐ اور صحابہؓ کی زندگی میں مکہ کے تیرہ سال ایسے گزرے جس میں جنگ کا موقعہ نہیں آیا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو مومنین اس زمانے میں وفات پا گئے وہ جنت کے مستحق قرار نہیں پا سکے۔ ایسا سمجھنا صحیح نہیں۔ ان آیات کا مطلب وہ ہے جسے حضور نبی اکرمؐ نے ان الفاظ میں بیان ہے کہ

مومن کی زندگی یہ ہے کہ جب جہاد (یعنی قتال) ہو رہا ہو تو اس میں سرگرم ہو، اور جب جہاد نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مشغول ہو۔

مندرجہ بالا ارشادات خداوندی کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی زندگی مسلسل جہاد کی زندگی ہے جس میں ہر قسم کے خطرات کا ہر وقت امکان ہے۔ اس لئے اسے ان خطرات کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اگر ان حالات میں، کسی وقت خطرہ سچ مچ سامنے آجائے، تو اس کا مقابلہ کرے، خواہ اس مقابلہ میں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑے۔ اور اگر ایسا وقت نہ آئے تو اس میں اس کا قصور نہیں۔ وہ تو اس کے لئے ہر وقت آمادہ اور تیار تھا۔ یہی وجہ ہے جو قرآن کریم نے دوسرے مقام پر کہہ دیا ہے کہ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ (۳/۱۵۶) اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ۔ یا تمہیں ویسے ہی موت آجائے، تو ہر دو صورتوں میں تم اللہ کی مغفرت کے حقدار ہو جاؤ گے۔

ہاں، تو ہم کہہ رہے تھے کہ قرآن کریم کی رو سے جنت کی طرف جانے والا راستہ، خطرات اور مشکلات سے پٹا پڑا ہے اور انہی کے مقابلہ سے انسانی ذات کی وہ صلاحیتیں ابھرتی ہیں، جو اسے حیات ابدی کا مستحق بنا دیتی ہیں۔ اقبال کے الفاظ میں:

حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

مجاہدین کے اعمال صالحہ

اور یہی وجہ ہے کہ اس راستہ پر چلنے والے "مردانِ جفا کیش و شادانِ طلب" کے ہر قدم کو عمل صالح کہہ کر پکارا گیا ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے کہ:

(خدا کے یہ سپاہی) بھوک اور پیاس کی جس مصیبت کو جھیلتے ہیں، جس تکان اور مشقت کو وہ برداشت کرتے ہیں، ان کا ہر قدم جو اس مقام پر پڑتا ہے جو دشمن کے لئے غیظ و غضب کا موجب ہوتا ہے، حتیٰ کہ ہر نقصان جو انہیں مخالفین کی طرف سے پہنچتا ہے اور ہر گزند جو وہ اٹھاتے ہیں، ان میں سے ایک ایک چیز ان کے لئے عمل صالح بنتی چلی جاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات کسی کا حسن کارانہ عمل ضائع نہیں کرتا۔

اسی طرح، یہ لوگ اس مقصد کے لئے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں ــــ خواہ تھوڑا ہو یا بہت ــــ یا جو منزل بھی وہ قطع کرتے ہیں، وہ سب ان کے اعمالنامہ میں لکھ لئے جاتے ہیں تاکہ خدا ان کے حسن عمل کا انہیں بہترین بدلہ دے۔ (۹/۱۲۰-۲۱)

اس لئے کہ کسی بلند مقصد کے حصول کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جائیں (بشرطیکہ وہ ذرائع ضابطہ خداوندی کے مطابق ہوں) وہ خود اس مقصد کا جزو بنتے چلے جاتے ہیں، اور ان ذرائع کو اختیار کرنے والے ان مفادات کے برابر کے حقدار جو اس مقصد کے حصول سے مرتب ہوں، خواہ وہ، باقی افرادِ کارواں کے ساتھ، منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں یا راستے ہی میں وفات پا جائیں۔ سورۂ نساء میں ہے۔

جو اپنا گھر بار سب کچھ چھوڑ چھاڑ، خدا کی راہ میں نکل کھڑا ہو، اسے منزل پر پہنچنے کے بعد سامانِ حفاظت اور زندگی کی خوشگواریاں بافراط میسر آجائینگی۔ لیکن اگر وہ منزل تک نہ بھی پہنچ سکے اور اسے راستے ہی میں موت آجائے، تو بھی اس کا اجر خدا کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔ (۴/۱۰۰)

یعنی مومن کی زندگی یہ ہے کہ وہ خدا کے متعین فرمودہ مقصد کے حصول کے لئے، اٹھ کھڑا ہو، اور دنیاوی مفاد و متاع کی جس قدر جاذبیتیں اور لذائذ و حظائظ کی جس قدر دلکشیاں اس کی دامن کش اور عناں گیر ہوں انہیں جھٹک کر الگ کر دے۔ راستے میں جس قدر مشکلات و خطرات سامنے آئیں، ان کا ڈٹ کر مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس میں موت آجائے تو بھی اس کی خوش نصیبی، اور منزلِ مقصود تک زندہ پہنچ جائے تو بھی بیدار بختی۔ قرآن کے الفاظ میں:

اس راستے میں کہیں جنگ و قتال اور دیگر خطرات کا اندیشہ ہوگا، کہیں سامانِ خورونوش کی کمی ہوگی۔ کہیں مال کا نقصان ہوگا، کہیں جان کا اتلاف۔ کہیں فصلیں اجڑیں گی اور باغات تباہ ہونگے۔ یہ تمام خطرات اور نقصانات سامنے آئینگے۔ لیکن کامرانیوں اور فائز المرامیوں کی خوشخبریاں ان کے لئے ہوں گی جو اس جدوجہد میں ثابت قدم رہیں گے اور مصائب و مشکلات کے ہجوم میں ان کی نگاہ اس نقطے سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹے گی کہ ــ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ــ ہمارا مقصد خدا کے پروگرام کو پورا کرنا ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو اس مقصد کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ مشکلات آتی ہیں تو آئیں، ہم ان سے ڈر کر منہ نہیں موڑیں گے۔ ہمارا ہر قدم اسی نصب العین کی طرف اٹھیگا۔ وہی ہمارا مقصود و منتہیٰ ہے اور ہم ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کریں گے۔ (۲/۱۵۶)

یہ ہیں وہ اربابِ عزم و ہمم اور پیکرانِ ثبات و استقامت جن کے متعلق کہا کہ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (۲/۱۵۷)۔ ان کے نشوونما دینے والے کی طرف سے ان پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں، اور ان پر نوازشاتِ خداوندی کی بارشیں ہوتی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا منزلِ مقصود تک پہنچ جانا یقینی ہے۔ اس سے ذرا آگے چل کر کہا کہ نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق کی طرف منہ کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ نیکی یہ ہے کہ تم (علاوہ دیگر امور) مخالفین کے ساتھ مقابلہ کے وقت مشکلات و مصائب میں کس حد تک ثابت قدم رہتے ہو! (۲/۱۷۷)۔ چھوٹی موٹی مصائب اور مشکلات تو ایک طرف

ان کے عزم و یقین اور ثبات و استقامت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ (اِذْ) قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ — جب ان سے لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے خلاف ایک لشکرِ جرّار جمع کر لیا ہے، اس لئے تمہیں ان سے ڈرنا چاہیئے، فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا۔ تو اس سے ان کا ایمان اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ (۳/۱۷۳) اور وہ دل کے پورے اطمینان سے کہتے ہیں کہ دشمن کا لشکر بہت بڑا ہے تو ہوا کرے، قانونِ خداوندی کی نصرت اور تائید ہمارے شاملِ حال ہے اور یہ وہ قوت ہے جس کے بعد کسی اور قوت کی حاجت نہیں رہتی اور جس پر پورا پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۔ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۔ (۳/۱۷۴)۔ یہ اس عزم و یقین کے ساتھ میدانِ کارزار میں آگے بڑھتے ہیں، اور کسی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر، نعماے خداوندی سے جھولیاں بھر بھر کر واپس آتے ہیں — حقیقت یہ ہے کہ قانونِ خداوندی اپنے نتائج کے اعتبار سے بڑا ہی ثمرآور بار آور واقع ہوا ہے۔

---- (۰) ----

یہ مومنین حقا — سچے اور سچے مومنین کی خصوصیات ہیں۔ ان کے برعکس، قرآن کریم نے ایک اور صنف کا بھی ذکر کیا ہے جن

منافقین کی حالت

کی حالت یہ ہے کہ معاملہ اگر یہی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تک رہے تو وہ چھاتی پر ہاتھ رکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہیں گے لیکن اگر کہیں جنگ کی بات آ جائے تو ان پر کپکپی چھا جائے گی۔ یہی وہ طبقہ ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ نساء میں کہا کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۔ تم نے ان لوگوں کی حالت پر بھی غور کیا کہ جب تک دین کا نظام اپنے ابتدائی مراحل سے گذر رہا تھا جس میں تمہیں ہاتھ اٹھانے سے روکا گیا تھا، اور تمہاری جماعت، اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے ابتدائی تربیتی منازل سے گزر رہی تھی، تو وہ بہت خوش تھے۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۔ لیکن جب دین کا اگلا پروگرام سامنے آیا جہاں مخالفین سے ٹکراؤ ناگزیر ہو گیا اور انہیں جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ، انسانوں سے اس طرح ڈرنے لگ گیا جیسے خدا کے قانونِ مکافات سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ۔ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۔ اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض قرار دے دیا۔ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تو ہمیں کچھ عرصہ کے لئے مہلت دے دے تاکہ ہم متاعِ حیات سے اور فائدہ اندوز ہو جائیں۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (۴/۷۷)۔ اے رسول! ان سے کہہ دو کہ تم دنیاوی زندگی کا کتنا ہی ساز و سامان کیوں نہ اکٹھا کر لو، وہ اُخروی زندگی کی خوشگواریوں کے مقابلہ میں بہرحال قلیل ہی ہو گا اور کمتر بھی۔ تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو تاکہ ان ثمرات سے فیضیاب ہو سکو۔ تمہاری کوششوں کے نتائج میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ دوسری جگہ ہے کہ

جماعتِ مومنین کی بے تابی تمنا کا یہ عالم ہے کہ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کب جہاد کا حکم ملے۔ ان کے برعکس، یہ منافقین ہیں کہ جب کوئی ایسی آیت نازل ہو جس میں متعین طور پر جنگ کا ذکر کیا گیا ہو، تو اے رسول! وہ تیری طرف یوں دیکھنے لگ جاتے ہیں گویا انہیں ابھی غش آ جائے گا — یہ کیسے شوریدہ بخت اور بدنصیب لوگ ہیں۔

(۴۷/۲۰)

بھی وہ منافقین کا گروہ تھا جن کی اس قلبی کیفیت کے پیشِ نظر کہا گیا تھا کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ۔

قتال فرض قرار دیا گیا

تم پر قتال (جنگ) فرض قرار دیا گیا ہے خواہ تمہیں یہ ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ وحیِ خداوندی کے پیشِ نظر تمہاری یا کسی اور کی خوشگواری یا ناگواری نہیں ہوتی۔ وہ ابدی حقائق بیان کرتی ہے۔ خواہ وہ کسی کو ناگوار گزریں یا خوش آئند محسوس ہوں۔ انسان اپنے اپنے مفادِ عاجلہ کی رُو سے کسی بات کے خوش آئند یا ناگوارِ خاطر ہونے کا فیصلہ کرتا ہے اور وحی کے سامنے مطلق صداقتیں (ABSOLUTE TRUTH) ہوتی ہیں۔ اس لئے عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ تم ایک بات کو ناپسند کرو اور وہ درحقیقت تمہارے لئے نفع رساں ہو، یا ایک چیز تمہیں بہت مرغوب ہو اور وہ درحقیقت تمہارے لئے نقصان رساں ہو۔ تم خیر و شر یا نفع اور نقصان کا معیار اپنی پسند یا ناپسند کو قرار نہ دو۔ اس کے لئے مستقل اقدارِ خداوندی کو معیار قرار دو۔ اس لئے کہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲/۲۱۶)۔ تمہارا علم محدود بھی ہوتا ہے اور ذاتی جذبات و میلانات سے متاثر بھی۔ اس کے برعکس، علمِ خداوندی محیطِ کُل ہوتا ہے اور ہر قسم کے اثرات سے مبرّا اور بالا۔ تم صرف اپنے نفع نقصان تک سوچ سکتے ہو اور وحیِ خداوندی کے سامنے پوری کائنات اور جملہ نوعِ انسان کا نفع نقصان ہوتا ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر　　سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ　　در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ　　(جاوید نامہ)

انسان کو وحی کی راہ نمائی کی ضرورت ہی اس لئے تھی (اور ہے) کہ انسانی فکر، ذاتی میلانات اور اپنے ماحول کے عواطف سے غیر متاثر رہ کر معروضی طور پر (OBJECTIVELY) کچھ سوچ ہی نہیں سکتی۔ اور وحیِ خداوندی ان تمام میلانات و رجحانات سے غیر متاثر ہوتی ہے اور اس کے پیشِ نظر کائنات اور عالمِ انسانیت کا کُلی مفاد ہوتا ہے۔ یہ وجہ تھی جو ان لوگوں سے، جن کے قلوب مفادِ خویش کے میلانات سے متاثر تھے، کہا گیا کہ تم پر جہاد (قتال) فرض قرار دیا گیا ہے خواہ تمہیں یہ ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔

ضمناً یہ طبقہ جس پر جہاد (قتال) سے متعلق احکام ناگوار گزرتے تھے، عہدِ رسالتمآب تک ہی محدود نہیں تھا۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ ہر دور میں رہے ہیں جنہیں یہ امر سخت شاق گزرتا تھا کہ قرآن میں جہاد بالسیف کی آیات کیوں ہیں۔ ان کا اس پر تو اختیار نہیں تھا کہ وہ ان آیات کو قرآن سے نکال دیتے لیکن وہ ان کی ایسی ایسی تاویلات کرتے تھے جن سے جہاد محض وعظ و نصیحت یا نفس کشی بن کر رہ جائے۔ (تفصیل اس اجمال کی ذرا آگے چل کر آئے گی)۔

جنگ کے مقاصد

اب ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ وہ کیا مقاصد ہیں جن کے لئے، اور وہ کیا حالات ہیں جن میں، جنگ کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ دین کے نظام کے ابتدائی مراحل میں، "ہاتھ روک کر رکھنے" کی ہدایت تھی۔ یہ رسول اللہؐ کی مکی زندگی تھی۔ اس کے بعد حضورؐ اپنی جماعت کے ساتھ، مکہ چھوڑ کر دور، مدینہ میں جا کر آباد ہو گئے۔ اب اہلِ مکہ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن انہوں نے وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا اور ایک لشکرِ جرار لے کر، مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ یہ تھا وہ مقام جہاں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی۔ سورۂ حج میں ہے۔

جن لوگوں پر مخالفین اس طرح جنگ کے لئے چڑھ دوڑتے ہیں، اب انہیں بھی جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر بڑے ہی ظلم ہوتے ہیں اور خدا اس پر قادر ہے کہ ان مظلومین کی مدد کرے۔ یہ وہ لوگ ہیں

جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا۔ ان کا جرم اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے .... (۲۲/۴۰)

یعنی جب سوال زندگی اور موت کا ہو تو پھر تحفظِ خویش کی خاطر جنگ کے لئے میدان میں آجانا ضروری ہو جاتا ہے۔ حیاتِ بے شرف کے مقابلہ میں مرگِ باشرف ہزار درجہ بہتر ہوتی ہے۔ اس مقام پر ایک نقطہ بڑا اہم اور غور طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ لڑائی صرف دو

یہ دو قوموں کی جنگ نہیں تھی

قوموں کی باہمی جنگ تھی یا اس کی تہ میں کچھ اور بھی تھا۔ اس سوال کا جواب ہمیں اسی آیت میں مل جاتا ہے جو کہا گیا ہے کہ اِلَّآ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ (۲۲/۴۰) یعنی یہ دو قوموں کی جنگ نہیں تھی۔ یہ دو نظریوں کی جنگ تھی۔ ان دونوں کے درمیان مابہ النزاع مسئلہ یہ تھا کہ یہ لوگ "خدا کو اپنا نشوونما دینے والا" مانتے تھے اور فریقِ مخالف انہیں اس کی اجازت نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہی وجہ مخالفت مکہ میں تھی اور یہی بنائے نزاع مدینہ آنے کے بعد بھی رہی اور اسی بنا پر انہوں نے ان کے خلاف لشکر کشی کی تھی۔ اس بنا پر یہ جنگ، عام قومی جنگ نہ رہی، دین کی جنگ ہو گئی۔ یہی وہ لطیف نکتہ ہے جس کی وضاحت دوسرے مقام پر اس طرح کر دی گئی کہ:

> وَ اَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّ مِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ تُرۡہِبُوۡنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ عَدُوَّکُمۡ ...... (۸/۶۰)
>
> تم ان مخالفین کی مدافعت کے لئے اپنے امکان بھر سامانِ حفاظت تیار رکھو۔ اپنی سرحدوں کو ایسا مضبوط رکھو کہ اس سے ان لوگوں کے دل میں، جو تمہارے بھی دشمن ہیں اور اللہ کے بھی دشمن، خوف طاری رہے اور وہ حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

یہاں دیکھئے، عَدُوَّ اللّٰہِ اور عَدُوَّکُمۡ کی تخصیص و تمیز سے کس طرح بات واضح کر دی۔ عَدُوَّکُمۡ (تمہارے دشمن)

دین کے دشمن

قومی سطح پر ہیں۔ اور عَدُوَّ اللّٰہِ سے مراد ان کی وہ عداوت ہے جو دین کی بنا پر ہے۔ قومی سطح پر باہمی عداوتیں تو دنیا کی مختلف اقوام میں اکثر رہتی ہیں۔ لیکن جنگ، جہاد فی سبیل اللہ کی حیثیت اس وقت اختیار کرتی ہے جب اس عداوت کی بنا، دین ہو۔ یعنی قوم مخالف، اس نظام کو مٹانے کے لئے یورش کرے، جسے یہ قوم بحیثیتِ دینِ خداوندی، قائم کرنا اور مستحکم رکھنا چاہتی ہو۔ ان کی طرف سے مخالفت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ وہ دینِ خداوندی کے خلاف طعن و تشنیع پر اتر آئیں۔ انہیں، اس سے باز رہنے کے لئے سمجھانا چاہیے۔ انہیں بتانا چاہیے کہ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ ہم تمہارے معبودوں کے خلاف بھی سوء ادبی اور گستاخی کے الفاظ زبان پر نہ لائیں، حالانکہ ہم انہیں باطل معبود سمجھتے ہیں۔ (۶/۱۰۸) ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام مذاہب کے بانیوں کی تعظیم کریں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کے فرستادہ انبیاء ہوں۔ اگر وہ انبیاء تھے تو ہم ان کی نبوت پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہیں[1]۔ لہٰذا تم کم از کم ہمارے دین کے خلاف طعن و تشنیع سے تو باز رہو۔ لیکن اگر ان میں اتنی سی شرافت اور انسانیت بھی باقی نہ رہی ہو تو پھر انہیں تلوار کے زور سے اس سے روکا جائے گا۔ سورۂ توبہ میں ہے۔ وَ اِنۡ نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَہۡدِہِمۡ وَ طَعَنُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّۃَ الۡکُفۡرِ (۹/۱۲) اگر یہ لوگ، اس قسم کا عہد و پیمان کرنے کے بعد اس سے پھر جائیں، اور تمہارے دین میں طعن و تشنیع سے باز نہ آئیں، تو پھر تم کفار کے ان سرغنوں کے خلاف جنگ کرو۔

اس سرزمین کی حفاظت

یہاں تک ان جنگوں کا ذکر ہے جو اپنے دین کی مدافعت کے لئے لڑنی پڑیں۔ واضح

---

[1] اس سے مراد حضور نبی اکرمؐ سے پہلے کے انبیاء کرامؑ ہیں۔ کیونکہ سلسلۂ نبوت حضورؐ پر ختم ہو گیا۔

ہے کہ چونکہ قرآن کی رُو سے دین صرف اپنی آزاد مملکت میں زندہ حقیقت بن سکتا ہے، اس لئے اُس مملکت کی حفاظت کے لئے جنگ جس میں دین کا نظام متمکن ہو، یا جسے اس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا ہو، قتال فی سبیل اللہ کہلائے گا۔ مدینہ کی پہلی جنگ (جنگ بدر) اس زمانے میں لڑی گئی تھی جب ہنوز اسلامی مملکت عملی شکل میں وجود میں نہیں آئی تھی۔ بایں ہمہ اس سرزمین کی حفاظت اس لئے ضروری تھی کہ اس میں اس مملکت کے وجود میں آنے کا امکان تھا۔ اگر وہ سرزمین نہ رہتی تو اسلامی مملکت کا وجود شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکتا۔ (یہی حیثیت اس وقت سرزمین پاکستان کی ہے)۔ بہرحال یہ ہے قتال فی سبیل اللہ کی پہلی شکل۔

مذہب کی آزادی

(۲) اس کی دوسری شکل سورۃ حج کی اس آیت کے اگلے حصے میں سامنے لائی گئی ہے جس کا پہلا حصہ اوپر مذکور ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ — وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا۔ (۲۲/۴۰) اور اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ ایک جماعت کی دست درازیوں کی روک تھام، دوسری جماعت کے ہاتھوں ہو جائے تو یہودیوں کی عبادت گاہوں، عیسائیوں کے گرجوں، راہبوں کی خانقاہوں اور مسلمانوں کی مسجدوں (جن میں خدا کا ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے) میں سے کوئی بھی باقی نہ رہتی۔ سب منہدم ہو جاتیں — اس آیۂ جلیلہ میں جہاں تک مسجدوں کی حفاظت کا تعلق ہے، وہ اس زمرہ میں آجاتی ہیں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی دین کے نظام کی حفاظت کے لئے مخالفین کے حملوں کی روک تھام۔ لیکن اس میں تو مسلمانوں پر تمام اہل مذاہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کا فریضہ عاید کیا گیا ہے۔ پرستش گاہوں کی حفاظت سے مراد ہے مذہبی آزادی۔ اس حکم خداوندی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں مذہبی آزادی کا برقرار رکھنا، مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اگر انہیں جنگ بھی کرنی پڑے تو جنگ کرنی ہوگی۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

اس سے ایک عظیم حقیقت سامنے آجاتی ہے اور وہ یہ کہ جس قوم کا فریضہ یہ ہو کہ وہ جان دے کر بھی دوسرے اہل مذاہب کی مذہبی آزادی کو برقرار رکھے، کیا اس کے لئے کسی صورت میں بھی جائز ہوگا کہ وہ کسی شخص کو بزور شمشیر مسلمان بنائے یا جو (بدقسمت) مسلمان، کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنا چاہے، اسے اس سے بزور شمشیر روکا جائے۔ یہ تصور قطعاً غلط اور اسلام کے اساسی اصولوں کے خلاف ہے۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۲/۲۵۶)، اس کا بنیادی اصول ہے اور فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (۱۸/۲۹) — "جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے" — اس کا عالمگیر منشور۔ جب اس نے کہا تھا کہ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (۲/۱۹۳)۔ تو اس سے بھی یہی مراد تھی یعنی اگر کوئی قوم کسی دوسرے کی مذہبی آزادی سلب کرنا چاہے، تو تم اس مستبد قوم کے خلاف جنگ کرو، اور اس جنگ کو اس وقت تک جاری رکھو جب تک ایسے حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ مذہب صرف خدا کی خاطر اختیار کیا جائے۔ اس میں کسی قسم کے خارجی اثر یا دباؤ کا کوئی دخل نہ ہو۔ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ عالمگیر مذہبی آزادی کا ایسا ابدی منشور ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔

اس شکل میں جنگ بھی مدافعانہ ہی رہتی ہے۔ لیکن اس میں صرف اپنی اور اپنے دین کی مدافعت نہیں بلکہ دنیا بھر کے اہل مذاہب کی مذہبی آزادی کی مدافعت مقصود ہے۔

یہ جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری شکل ہے۔ اب آگے بڑھیے:

(۳) مذہبی آزادی ہی نہیں بلکہ اس میں غلامی کی اور بھی بہت سی شکلیں شامل ہیں جن کا تعلق انسانی حقوق سے ہے۔ سورۃ البلد میں ہے کہ ہم

انسانی حقوق کا تحفّظ

نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے۔ ایک راستہ سہل انگاریوں، مفاد پرستیوں اور عیش سامانیوں کا ہے "یا کنارِ آبِ رکنا باد و گلِ گشتِ مصلیٰ" کا راستہ۔ دوسرا راستہ اَلْعَقَبَةَ کا ہے۔ یعنی پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے کے مرادف۔ پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے کا راستہ بڑا دشوار گزار ہوتا ہے۔ اس میں قدم قدم پر سانس پھولتی ہے۔ لیکن ہر قدم انسان کو پہلے سے زیادہ بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ راستہ کیا ہے؟

(۱) فَكُّ رَقَبَةٍ (90/13) جو گردنیں کسی دوسرے کی محکومی میں جکڑی ہوئی ہوں انہیں اس سے آزاد کرانا۔

(۲) أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ (90/14) جس زمانے میں افلاس و غربت عام ہو جائے، اس میں دوسروں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔ کن لوگوں کے کھانے پینے کا؟

(۳) يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (90/15)، ان کا جو اس قدر بھرپور معاشرہ میں بھی اپنے آپ کو تنہا محسوس کریں۔ اور

(۴) أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (90/16) یا ان محنت کشوں کا جو دن بھر خاک آلود رہنے کے باوجود اس قابل نہ ہو سکیں کہ ان کی زندگی کی گاڑی آگے چلے۔

یہ ہے الدِّین۔ یعنی وہ گھاٹی جس پر چڑھنا بڑا دشوار ہے۔ ان میں سے شقِ اول ہمارے موضوعِ زیرِ نظر سے متعلق ہے۔ یعنی فَكُّ الرَّقَبَةِ۔ زمانۂ نزولِ قرآن میں (جسے دورِ جہالت کہا جاتا ہے) غلامی کی ایک ہی شکل تھی جسے عرفِ عام میں (SLAVERY) کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے ان غلاموں کو چھڑانے کے لئے مختلف طریق تجویز کئے اور آئندہ کے لئے غلامی کا خاتمہ کر دیا۔ دنیا آج بڑے فخر سے کہتی ہے کہ اس نے غلامی کو مٹا دیا ہے۔ لیکن اس زمانے میں جسے دورِ تہذیب کہا جاتا ہے، غلامی کی ایسی ایسی شکلیں وضع کی گئی ہیں جن کا تصور بھی اُس (دورِ جہالت) میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان شکلوں کی تفصیل تو طول طویل ہے لیکن ان سب میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ جن حقوق کو قرآن نے بنیادی حقوقِ انسانیت قرار دیا ہے، انہیں سلب کر لیا جاتا ہے اور اکثر اوقات سلب بھی اس انداز سے کیا جاتا ہے کہ جسے مسلوب کیا جاتا ہے۔ اسے اس کا احساس تک نہیں ہونے پاتا، یا نہیں ہونے دیا جاتا۔ ان سلب کردہ حقوق کا بحال کرانا بھی فَكُّ رَقَبَةٍ میں آ جائے گا۔ ہمارے زمانے میں (U.N.O.) نے بنیادی حقوقِ انسانیت کا منشور شائع اور اختیار کر رکھا ہے۔ لیکن اس کی رُو سے کمزور انسانوں اور قوموں کے حقوق کا جس انداز سے تحفّظ ہوتا ہے، وہ ظاہر ہے۔ یہ فریضہ جماعتِ مومنین ہی ادا کر سکتی ہے۔ ان حقوق کی شدید ترین پامالی کو قرآن "ظلم" سے تعبیر کرتا ہے اور مظلوموں کی امداد کے لئے (عند الضرورت) جنگ کے لئے اٹھنا، جماعتِ مومنین کا فریضہ قرار دیتا ہے۔ (مثلاً) جب مدینہ میں مسلمانوں کی مملکت قائم ہو گئی تو وہ

مظلوموں کی امداد کیلئے جنگ

قریشِ مکہ کے دستِ تظلم سے محفوظ ہو گئے لیکن مکہ میں ایسے مسلمان رہ گئے جنہیں وہ اپنے جور و استبداد کا تختۂ مشق بناتے تھے۔ قرآنِ کریم نے مسلمانانِ مدینہ کو مخاطب کر کے کہا کہ

> تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم قتال فی سبیل اللہ کے لئے اٹھتے نہیں حالانکہ حالت یہ ہے کہ (مکہ کے) کمزور و ناتواں، بے کس و بے بس مسلمان — مرد، عورتیں، بچے، چلّا چلّا کر کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے نشو ونما دینے والے! تو ہمیں اس بستی سے نکالنے کی کوئی صورت پیدا کر دے جس کے رہنے والے اس قدر ظالم اور سفاک ہیں۔ تو اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار بھیج جو ہمیں ان کے جور و ستم سے نجات دلائے۔ (4/75)

چنانچہ مدینہ کے مسلمان اُٹھے اور انہوں نے، مکہ فتح کر کے، ان مظلوموں کو اُن کے مظالم سے نجات دلائی۔ قرآن کریم نے اس

واقعہ کے بیان کرنے سے اس ابدی اصول کی وضاحت کر دی کہ اسلامی مملکت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی قوم اور کسی ملک کے مظلوموں کی فریاد ان تک پہنچے، وہ ان کی مدد کے لئے اٹھیں۔ حضور نبی اکرمؐ نے ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کو جو دعوت نامے ارسال فرمائے تھے، ان میں یہی کہا گیا تھا کہ تمہاری مملکت میں کسانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں، اگر تم نے ان کا تدارک نہ کیا تو اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ اس قسم کی جنگیں، اس لحاظ سے مدافعانہ کہلائیں گی کہ یہ اُن مظلوموں کی مدافعت کے لئے لڑی جائیں گی۔

(۵) اسی قسم کی مدافعانہ ایک اور جنگ بھی ہے جسے قتال فی سبیل اللہ کہا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں (حضرت) طالوت اور جالوت

فساد روکنے کیلئے جنگ

کے معرکہ کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ (۲/۲۵۱) اگر خدا ایسا انتظام نہ کرے کہ ایک سرکش اور امن شکن گروہ کی جارحیت کی روک تھام، دوسرے گروہ کے ہاتھوں کرائی جائے، تو زمین میں ہر طرف فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ لیکن چونکہ خدا اہل عالم پر اپنا فضل رکھنا چاہتا ہے، اس لئے فساد برپا کرنے والوں کی دراز دستیوں کی روک تھام دوسرے لوگوں کے ہاتھوں سے ہوتی رہنی چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کا یہ پروگرام اولاً اور تاسیساً جماعت مومنین کے ہاتھوں پورا ہوگا کہ انہی کو اس نے حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کہہ کر پکارا ہے اور کہا ہے کہ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ (۹/۱۴) تم ان کے خلاف جنگ کے لئے اٹھو اس لئے کہ خدا چاہتا ہے کہ ان مستکبرین کو ان کی سرکشی کی سزا تمہارے ہاتھوں سے دلائے اور ان کی گردن جھکائے تاکہ وہ پھر فساد کے لئے نہ اٹھ سکیں۔

فساد سے مفہوم

فساد ایک بڑی جامع اصطلاح ہے جو قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر آئی ہے اور اس لئے مفسدین کا شمار اکابر مجرمین میں کیا ہے۔ ارتقائے انسانیت کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ معاشرہ میں امن و امان رہے۔ لوگوں کی جان، مال، عزت، آبرو، عصمت، ہر طرح سے محفوظ ہو اور اس طرح انہیں اطمینان اور سکون میسر ہو۔ جس معاشرہ سے یہ امن و سکون اٹھ جائے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ اس میں فساد برپا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ فساد کا مختصر ترین مفہوم ہے۔ قرآن کریم نے فساد کو صلاح کی ضد بتایا ہے۔ اور صلاح کے معنی ہیں ایسے حالات جن میں انسانی صلاحیتیں بیدار ہوں اور اس طرح ان میں زندگی کے ارتقائی منازل طے کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ نیز جن میں معاشرہ کا حسن و توازن قائم رہے اور ناہمواریاں دور ہو جائیں۔ جس چیز کو جس حال میں ہونا اس کا ٹھیک اسی حال میں ہونا اور ہر کام کا وقت کے تقاضے اور قوانین خداوندی کے مطابق سرانجام پاتے جانا جب معاشرہ کی حالت ایسی نہ ہے تو اسے فساد سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس میں قانون و ضوابط کا احترام اٹھ جائے گا اور فوضویت (انارکی) عام ہو جائے گی۔ ایسی حالت کو روبہ اصلاح لانے کے لئے (عند الضرورت) جنگ کو بھی قتال فی سبیل اللہ کہا جائے گا، خواہ وہ کہیں پیدا ہو۔ اس لئے کہ قرآن کریم نے امتِ مسلمہ کو شہداء علی الناس کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی تمام نوع انسان کے امور کی نگران۔ اور نگران کا فریضہ ہے کہ وہ دیکھے کہ کہیں فساد برپا نہ ہو جائے۔

یہ ہیں وہ مقاصد جن کے لئے قرآن کریم نے جنگ کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اسے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔ ان مقاصد کی خاطر جنگ، قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اور اگر مقصد کچھ اور ہے تو وہ قتال فی سبیل اللہ نہیں۔ قتال فی سبیل الطاغوت ہے اور یہی کفر اور اسلام کا مابہ الامتیاز ہے۔ سورۂ نساء میں ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (۴/۷۶)۔ مومنین، اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، اور کفار طاغوت کی راہ میں۔ یہی قتال فی سبیل اللہ جہاد کی حدِ آخرین اور مومن کی زندگی کا منتہیٰ و مقصود ہے۔

(۰)

جنگ کی شرائط

یہ تو ہیں وہ مقاصد جن کے لئے جنگ لڑی جائے گی۔ ان کے ساتھ ہی کچھ شرائط بھی ہیں جنہیں ملحوظ رکھا جائے گا۔ مختصر الفاظ میں وہ شرائط یہ ہیں:-

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ — وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ (۲/۱۹۰)۔ جو تمہارے خلاف جنگ پر اتر آئیں' ان سے جنگ کرو۔ لیکن حدود سے تجاوز مت کرو۔ لَا تَعْتَدُوْا کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ اس باب میں جو حدود خدا نے مقرر کی ہیں' ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جنگ کو وہیں تک محدود رکھو' اور ایسے حالات نہ پیدا ہونے دو کہ وہ متعدی امراض کی طرح پھیل کر عالمگیر بن جائے۔ یہ آگ ایسی بھڑکے کہ ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ ایسی صورت نہ پیدا ہونے دو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جہاں تک دشمن کی قوت توڑنے کا تعلق ہے' وہیں تک اس کا نقصان کرو۔ خواہ مخواہ ہلاکتِ حرث و نسل نہ کرو۔ (۲/۲۰۵) نہ کھیتیاں تباہ و برباد کرو۔ نہ عام آبادی کو ہلاک کرو۔ ایسا کرنا فساد میں شامل ہو جائے گا اور وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۲/۲۰۵) خدا فساد کو پسند نہیں کرتا۔

(۳) مفتوحہ علاقہ کو برباد مت کرو۔ نہ ہی وہاں کے معززین کو ذلیل کرو۔ یہ انداز ملوکیت ہے جس کی نظامِ خداوندی میں گنجائش نہیں (۲۷/۳۴)۔

(۴) بین الاقوامی معاہدات کی رُو سے یہ اصول طے کر لو کہ جنگ کہیں' اور کسی کے خلاف بھی کیوں نہ ہو' اسے مسلسل جاری نہیں رہنا چاہیئے۔ سال ہی کچھ مہینے ایسے مقرر ہو جانے چاہئیں جن میں جنگ اصولاً بند کر دی جائے۔ اس متارکہ سے فریقین کے جذباتِ مخاصمت کی شدت میں کمی واقع ہو جائے گی اور اس بات کا امکان پیدا ہو جائے گا کہ دشمن' نامعقولیت کو چھوڑ کر صلح کی معقول شکل اختیار کر لے۔ اسی طرح' بعض مقامات بھی ایسے ہونے چاہئیں جہاں پہنچ جانے پر ہر شخص اپنے آپ کو محفوظ اور مامون پائے۔ (۲/۱۲۵)

(۵) جب دشمن صلح کی طرف جھکے تو اس کی "سفیدِ جھنڈی" کا احترام کیا جائے۔ یہ ممکن ہے کہ ایسا کرنے میں وہ تمہیں دھوکا دینا ہو لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ مخلصانہ طور پر صلح چاہتا ہو۔ اس لئے تمہارا ردِّ عمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ دھوکا دینا ہے بلکہ یہ ہونا چاہیئے کہ وہ صلح کا آرزومند ہے (۸/۶۱) خُذُوْا حِذْرَكُمْ (۴/۷۱) اپنی حفاظت کا پورا پورا سامان رکھو' اور پھر اس سے صلح کی بات کرو۔

(۶) صلح کرنے میں بھی دشمن کے ساتھ عدل کرو۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ (۵/۸) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ عدل نہ کرو۔ ہمیشہ عدل کرو۔ ہر ایک کے ساتھ عدل کرو۔ اس لئے کہ تم نے تقویٰ کی زندگی بسر کرنی ہے اور تقوے کا تقاضا یہی ہے۔

(۷) دشمن کے قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ معاہدۂ صلح کے بعد انہیں یا تو اپنے قیدیوں کے تبادلہ میں رہا کر دو' یا فدیہ لے کر۔ لیکن اگر دیکھو کہ ان میں سے کسی صورت کا امکان نہیں تو انہیں بطور احسان چھوڑ دو۔ اس کا اثر بڑا گہرا ہو گا۔ (۴۷/۴) قیدی تو ایک طرف' اس نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر دشمن کا کوئی فرد تمہارے پاس پناہ لینے کے لئے آئے تو اسے پناہ دو۔ اسے قرآن کی تعلیم سے آگاہ کرو اور اس کے بعد اگر وہ اپنے ہاں واپس جانا چاہے تو اسے اپنی حفاظت میں اس کے مامن تک پہنچاؤ۔ (۹/۶)

(۸) دشمن (یا ویسے بھی دیگر اقوام) کے ساتھ جو معاہدات کرو' ان کا احترام کرو۔ (۸/۷۲) وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ (۸/۵۸) اگر تمہیں اس کا خدشہ ہو کہ قومِ مخالف معاہدہ کی آڑ میں تم سے خیانت کرنے کا ارادہ رکھتی ہے' تو تم' معاہدہ کی اوٹ میں اس کے خلاف خیانت مت کرو۔ تم اس

معاہدہ کو ان کی طرف توڑ دو۔ انہیں بتا دو کہ وہ معاہدہ باقی نہیں رکھا جا سکتا۔ اور اس طرح دونوں ایک سطح پر آ کر، جو مناسب سمجھو کرو۔

(۹) اور آخری بات یہ کہ تم سرکش گروہوں کے خلاف جنگ کر کے ان کی قوت کو توڑ دو، تو اس لئے کہ اس طرح مختلف قوموں میں قوتوں کا توازن پیدا ہو جائے اور کسی کو دوسرے کے خلاف دست درازی کی جرأت نہ ہو اور یوں دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہو جائے۔ قرآن کریم کے نہایت جامع الفاظ میں، تم دشمن کی قوت توڑنے کے لئے جنگ کرو۔ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (۴۷/۴) تاکہ خود جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔

یہ ہے جماعتِ مومنین، امتِ مسلمہ کی جنگ کا مقصود و منتہیٰ۔ دنیا سے جنگ کا خاتمہ۔

(۰)

جنگ کی ہدایات

ان شرائط کے ساتھ قرآنِ کریم نے جنگ کے سلسلہ میں کچھ اصولی ہدایات بھی دی ہیں جن کا مختصر سا تذکرہ اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ (مثلاً) اس نے کہا ہے کہ:

(۱) جیسا کہ شروع میں بہ تفصیل بتایا جا چکا ہے، قرآن کریم کی رو سے، ہر مومن مجاہد ہے، اور امتِ مسلمہ پوری کی پوری حزب اللہ (خدا کا لشکر)۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لئے عسکری تربیت اسلامی زندگی کا اساسی جزو ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دورِ حاضرہ میں جنگ اس قدر فنی ہو چکی ہے کہ اس کے لئے فنونِ حرب کے ماہروں کی ضرورت لاینفک ہے۔ اس مقصد کے لئے بے شک ایک ہمہ وقتی جماعت الگ ہونی چاہیئے لیکن ہر مومن کے لئے سپاہی ہونا ضروری ہے۔ قرآن کا تصور اور ہدایت یہی ہے — ہر مومن خدا کا سپاہی۔

(۲) فوج کی کمان کرنے والوں کے انتخاب کا معیار دولت یا خاندانی وجاہت نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کا معیار جوہرِ ذاتی ہونا چاہیئے۔ یعنی — زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲/۲۴۷) یعنی فنونِ حرب سے پوری پوری واقفیت اور جسمانی صحت و توانائی۔ واضح ہے کہ پاکیزہ زندگی (تقویٰ) ہر مومن کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اس لئے ان افسروں کے انتخاب میں اس کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ کہ — اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (۴۹/۱۳)۔ معیارِ خداوندی کے مطابق، تم میں سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتا ہے۔ قرآنِ کریم نے یہاں تک کہہ دیا کہ — وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ (۱۸/۲۸)۔ جس شخص کی حالت یہ ہو جائے کہ وہ قوانینِ خداوندی کو فراموش کر دے اور اپنی خواہشاتِ نفس ہی کے پیچھے دوڑتا رہے، اور اس دوڑ میں تمام حدود پھاندتا چلا جائے، اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکو۔ وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ لہٰذا، اگر کسی افسر کی سیرت و کردار ملوث ہو جائے، وہ پاک بین و پاک باز نہ رہے، تو اسے کمان سے برطرف کر دینا چاہیئے۔ اس کے رفقاء کی نظروں میں اس کا وقار اور اس کے ماتحتوں کے دل میں اس کا احترام کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اور جس کا احترام نہ رہے، اس کے احکام کی اطاعت، میکانکی طور پر تو ہو سکتی ہے، دل کی رضامندی سے نہیں ہو سکتی۔ قرآن نے تو صاحبِ کمان کا مقام یہ بتایا ہے کہ اس کے حکم اور فیصلوں کے خلاف دل کی گہرائیوں میں بھی کبیدگی اور گرانی محسوس نہ ہو۔ (۴/۶۵)

(۳) اگر سپاہیوں کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے صاحبِ کمان کے حکم کی تعمیل دل کی کامل رضامندی سے کریں تو صاحبِ کمان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے لئے سپر بنا رہے اور ان کی اس طرح حفاظت اور نگہداشت کرے جس طرح مرغی اپنے چوزوں کی حفاظت اور نگہداشت کرتی ہے۔ (۲۶/۲۱۵)

(۴) صاحب کمان کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ جنگی ضروریات کے لئے ایسا کرنا اور بات ہے ورنہ عام حالات میں تعیب کر پیچھے نہیں بیٹھے رہنا چاہیئے۔ حضور نبی اکرمؐ کے متعلق قرآن کریم نے بتایا ہے — واضح رہے کہ عسا کر مومنین کے لئے حضورؐ کی پوزیشن آج کی اصطلاح میں کمانڈر انچیف کی سی تھی — قرآن نے بتایا ہے کہ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (۳/۱۲۱) میدانِ جنگ میں آپؐ اپنے سپاہیوں کی پوزیشنیں متعین کیا کرتے تھے۔

(۵) ڈسپلن فوج کی رگِ حیات ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے قرآن کریم نے بتایا ہے کہ جب (حضرت) طالوت اپنی فوج کو لے کر جالوت کے مقابلے کے لئے چلے، تو سپاہی پیاسے تھے اور راستے میں ایک ندی آتی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ندی سے پانی نہ پیئے۔ یونہی حلق تر کرنے کے لئے ایک گھونٹ کی اجازت ہے۔ بات بظاہر چھوٹی سی تھی لیکن اس کی اہمیت اس قدر تھی کہ آپ نے کہا کہ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (۲/۲۴۹) جو پانی پی لے گا وہ میرا نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود بہت سے سپاہیوں نے پانی پی لیا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ یہی وہ لوگ تھے کہ جب لشکرِ جالوت سامنے آیا تو انہوں نے کہدیا کہ — لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ۔ (۲/۲۴۹) ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ ڈسپلن درحقیقت اس بات کا ٹسٹ ہوتا ہے کہ فوج میں خطرات کے مقابلہ کی صلاحیت کہاں تک پیدا ہو چکی ہے۔

(۶) اور ڈسپلن کے ساتھ استقامت جسے قرآن صَبْر کی عظیم اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے اور بار بار اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ — اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲/۲۴۹)۔ خدا کی تائید و نصرت انہی کے ساتھ ہوتی ہے جو ثبات و استقامت کے ساتھ خطرات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ اگر تعداد میں کم بھی ہوں تو بھی دشمن پر غالب آسکتے ہیں۔

(۷) میدانِ جنگ میں فتح بھی ہوتی ہے اور کبھی کبھی شکست بھی۔ شکست سے دل برداشتہ اور افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ اس وقت اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۔ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (۳/۱۳۹)۔ اگر تم نے آج دشمن کے ہاتھوں زخم کھائے ہیں تو کل تم نے بھی تو اسے کاری ضربیں لگائی تھیں۔ حالات کی یہ گردش و دولابی جاری ہے۔ اس تغیر سے ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ ایسے وقت میں سوچنا یہ چاہیئے کہ اس شکست کے اسباب کیا تھے۔ اگر تم اس پر غور کرو گے تو یہ حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی کہ یہ تمہاری ہی کسی غلطی کا نتیجہ ہے — هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ۔ (۳/۱۶۴)؛ (دیکھیے) جیوشِ اسلامیہ کو جنگِ اُحد میں جو عارضی شکست ہوئی تھی، اس کی وجہ بتاتے ہوئے قرآن کریم نے کہا؛

> تم قانونِ خداوندی کے اتباع میں دشمن کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ تمہیں غلبہ حاصل ہو رہا تھا اور اس طرح خدا کا وہ وعدہ پورا ہو رہا تھا جو اس نے تم سے کر رکھا تھا۔ لیکن عین اس وقت تمہارے پاؤں میں لغزش پیدا ہو گئی۔ معاملہ پیشِ نظر میں تم نے باہمی تنازعہ شروع کر دیا۔ تم میں اختلاف پیدا ہو گیا اور تمہارے کمانڈر نے جو حکم دے رکھا تھا تم نے اس کی خلاف ورزی کی، حالانکہ فتح و کامرانی، جو تمہارا محبوب مقصد تھا، تمہاری آنکھوں کے سامنے تھی — تمہیں معلوم ہے ایسا کیوں ہوا تھا؟ اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیٹیں پا افتادہ مفاد پر ٹوٹ پڑے اور کچھ ایسے رہ گئے جن کی نگاہیں مستقبل کے مفاد پر تھیں۔ یوں تمہارا رُخ دشمن کی طرف سے ہٹ کر دوسری سمت کو پھر گیا۔ (تمہیں شکست ہو گئی اور اس شکست سے تمہیں معلوم ہو گیا کہ تم میں کیا خامی تھی۔ (۳/۱۵۱)

اس واقعہ سے ایک اور عظیم حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے جسے ہم ذرا آگے چل کر بیان کریں گے۔ بہرحال یہاں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ

اپنی شکست سے ہمت نہیں ہار دینی چاہیئے، بلکہ ان اسباب پر غور کرنا چاہیئے جن کی وجہ سے وہ شکست ہوئی۔ اور پھر ان کا تدارک یا ازالہ کرنا چاہیئے۔

جنگ کے متعلق ذہن میں یہی آتا ہے کہ اس میں صرف جذبات کی شدت کام دیتی ہے۔ غور و فکر کا اس سے کچھ واسطہ نہیں۔

میدانِ جنگ میں بھی غور و تدبّر

قرآن کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ میدانِ جنگ میں بھی اگر غور و فکر اور تدبّر و تعقّل سے کام نہ لیا جائے تو اس کا نتیجہ شکست ہوتا ہے۔ جنگِ بدر میں قریش کو جو شکست فاش ہوئی تو قرآن نے اس کی بنیادی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ یہ اس لئے ہوا کہ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ (۸:۶۵)۔ انہوں نے فکر و تدبّر سے کام نہ لیا بلکہ اپنے جذبات کی رو میں اندھا دھند بہے چلے گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسانی زندگی میں جذبات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جذبات ہی عمل کے محرک ہوتے ہیں۔ لیکن جذبات کو ہمیشہ عقل و فکر کے تابع رکھنا چاہیئے۔ حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی ــــ اور عقل کو وحیِ خداوندی کے تابع ــــ یہی اسلام ہے۔

(۸) اور اگلی ہدایت یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگنا نہیں چاہیئے۔ یہ کس قدر سنگین جرم اور ناقابلِ معافی حرکت ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ میدانِ بدر میں خود رسول اللہ کے زیرِ لوا، صحابہ کبارؓ کی جماعت صف بستہ کھڑی ہے۔ یہ وہ سپاہی ہیں جو اپنا سب کچھ قربان کر کے، سر بکف باطل کے مقابلہ کے لئے میدانِ کارزار میں آگئے ہیں۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے متعلق ابھی ابھی حضور نبی اکرم نے بدرگاہِ رب العزت بصد الحاح و زاری عرض کیا ہے کہ بارالہا! اگر آج اس جماعت کو شکست ہو گئی تو دنیا میں قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ سرفروشوں کی یہ جماعت میدانِ جنگ میں کھڑی ہے کہ کمانڈر کا حکم ملے تو وہ شیروں کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑیں۔ عین اس وقت یہ آیت نازل ہوتی ہے کہ یاد رکھو!

> اے جماعتِ مومنین! دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے قانون کی تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے اور تمہیں فتح و کامرانی کی نوید جانفزا بھی سنائی گئی ہے۔ بایں ہمہ اے جوشِ ہوش من لوگو! جب تمہارا مقابلہ دشمن کی فوج سے ہو تو انہیں پیٹھ مت دکھانا۔ یاد رکھو! جو ایسے وقت میں پیٹھ دکھائے گا، وہ خدا کے عذاب کا مورد بن جائے گا۔ اور سیدھا تباہی و بربادی کے جہنم میں جا گرے گا۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ہاں مگر جو جنگ کی تدبیر کے پیشِ نظر اپنا پینترا بدل لے یا اپنی پارٹی کی طرف پلٹ چلے اور اس طرح اپنے مقام سے ہٹ کر ادھر ادھر ہو جائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔ (۸:۱۵-۱۶)

سرفروشوں کی جو جماعت اس وقت رزمگاہ میں تھی اس نے تو دشمن کو کیا پیٹھ دکھانی تھی، یہ در اصل ایک اصولی ہدایت تھی کہ فتح و کامرانی انہی کا حصہ ہوتی ہے جو دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ اور اس کی سختی سے ڈر کر بھاگ نہ اٹھیں۔ . . . . حتیٰ یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (۸:۶۷)، تاکہ دشمن کی قوت ٹوٹ جائے اور وہ مغلوب ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اس کے میدان سے بھاگ جانے پر یہ قیاس نہ کر لو کہ وہ شکست کھا گیا ہے۔ یہ اس کی جنگی چال ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کا تعاقب کرو اور پیچھے سے اس پر بھرپور وار کرو۔ وَلَا تَھِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ (۴:۱۰۴)۔ اس کے تعاقب میں سستی اور کمزوری نہ دکھاؤ۔ اس طرح اس کی کمر یوں ٹوٹے گی کہ وہ دوبارہ سرکشی کی ہمت نہیں کرے گا۔

اسلامی نظام کی جھلک

یہ ہدایات ہیں تو جنگ سے متعلق۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو اس سے خود اسلامی نظام کی ایک جھلک سامنے آجاتی ہے۔ دشمن کے خلاف جنگ کی جائے اور کب کی جائے، اس کا فیصلہ سربراہِ مملکت اپنے اہل الرائے اعیان کے مشورہ سے کرے گا۔ وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (۳:۱۵۸)

تم امورِ مملکت میں ان سے مشورہ کرو اور اس مشاورت کے بعد جب تو کسی فیصلہ پر پہنچ جائے تو پھر پورے عزم اور ہمت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور قوانینِ خداوندی کی محکمیت پر کامل بھروسہ رکھو۔ (یہ خود رسول اللہ سے ارشاد ہے) ایسا فیصلہ ہو جانے کے بعد جنگ سے متعلقہ افسر اس کے مطابق پلان مرتب کریں۔ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸) (یہ امت سے کہا گیا ہے) اس پلان کو افسرانِ زیریں تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ وقت اور حالات کے تقاضے کے مطابق اس کی جزئیات خود مرتب کریں۔ ان جزئیات کے مطابق وہ احکامِ جنگ نافذ کریں۔ ان احکام کی اطاعت سپاہیوں پر بے چون و چرا لازم ہوگی۔ سوچئے کہ اگر سپاہی "آزادیٔ رائے اور حریتِ فکر" کو اپنا حق سمجھیں اور میدانِ جنگ میں ہر سپاہی وہ کچھ کرے جو اس کا اپنا فیصلہ ہو، تو میدانِ جنگ کا نقشہ اور اس قوم کا حشر کیا ہو جائے؟ انفرادی آزادی تو کجا نہیں، اگر سپاہیوں کو "حقِ جمہوریت" دے دیا جائے اور وہ میدانِ جنگ میں، افسرانِ بالا کی ہدایات کے مطابق قدم اٹھانے کے بجائے، وہ کچھ کریں جو ان میں سے اکثریت کا فیصلہ ہو، تو بھی نتیجہ ظاہر ہے؟ آزادیٔ رائے اور حریتِ فکر کا ایک دائرہ ہے اور اسے وہیں تک محدود رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد پابندیٔ ہدایات ضروری ہو جاتی ہے۔ آزادی اور پابندی کے اسی امتزاج کا نام اسلامی نظام ہے۔ آج اسلامی نظام تو دنیا میں کسی جگہ بھی کارفرما نہیں لیکن اس کے نظم و نسق کی ایک جھلک ہمیں عسکری نظام میں مل جاتی ہے۔ اگر اس (عسکری) نظام میں اصولی اور اساسی فیصلے قرآنی اصول و ہدایات کی روشنی میں ہوں، اور افسروں کے دل سے "افسریت" (حاکمیت) کا خناس نکل جائے، اور کمانڈر انچیف سے لیکر عام سپاہی تک یہ سمجھیں کہ تقسیمِ کار ہے جس کے مطابق ہر ایک کو الگ الگ ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں، تو یہ نظام عین اسلامی ہو جائے گا۔ قرآنِ کریم نے جو اسلامی جیوش و عساکر کے متعلق کہا ہے کہ — اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (۶۱/۴) کس قدر محبوب ہیں یہ لوگ خدا کی نگاہ میں جو اس کے راستے میں یوں صف بستہ لڑتے ہیں گویا ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے، تو سپہ سالار سے لیکر سپاہی تک سب اس دیوار کی اینٹیں ہوتی ہیں جن میں کوئی خلا نہیں ہوتا۔ وہ سب باہدگر مربوط ہوتی ہیں۔ "سیسہ پلائی ہوئی" سے یہی مراد ہے۔ یہی وہ رابطہ باہمی ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳/۱۹۹)

اے جماعتِ مومنین! مصافِ زندگی میں اس طرح چلو کہ تم میں سے ہر ایک خود بھی ثابت قدم ہو اور اپنے ساتھیوں کی ثابت قدمی کا موجب بھی۔ تم اس انداز سے باہوں میں باہیں ڈالے، نہایت محکم ربطِ باہمی سے، قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاؤ۔ فتح و کامرانی تمہارے قدم چوم لے گی۔

———(۰)———

جہاد کے خلاف سازش

یہ تھا وہ جہاد (قتال فی سبیل اللہ) جس نے صدرِ اول کے مسلمانوں کی رگوں میں بجلیاں بھر دی تھیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کمزوروں اور ناتوانوں کی وہ مٹھی بھر جماعت، جس نے اپنا وطن تک چھوڑ کر، دوسروں کے ہاں بسیرا کیا تھا، سات آٹھ سال کے عرصہ میں، اس عظیم مملکت کی وارث بن گئی جس نے اس زمانے کی ساری متمدن دنیا کو دکھا دیا کہ جس نظام کی بنیادیں مستقل اقدارِ خداوندی پر استوار ہوں، وہ نوعِ انسان کے لئے کس قدر عطر بیز و گہر بار ہوتا ہے۔ لیکن یہ نظام چونکہ مفاد پرستوں کے حق میں سمِ قاتل تھا اس لئے انہوں نے اس کے خلاف یہ سازش کی کہ اس کی شکل و شباہت تو ویسی ہی رہے لیکن اس میں سے روح نکل جائے۔ اس کے الفاظ اپنی جگہ برقرار رہیں لیکن ان کا مفہوم بدل جائے۔ اس سازش کا پہلا وار جہاد (قتال) پر تھا۔ کیونکہ یہی اس نظام کی قوتوں کا سرچشمہ تھا۔ اس کی اہمیت گھٹانے کے لئے پہلے اس سسٹم کی ہدایات وضع کی

گئیں جن میں کہا گیا کہ رسول اللہ نے ایک جنگ سے واپسی پر فرمایا کہ — رجعنا من جھاد الاصغر الی جھاد الاکبر۔ ہم جہاد اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ ان روایات کی رُو سے قتال فی سبیل اللہ جہادِ اصغر قرار پا گیا اور وعظ و نصیحت وغیرہ جہادِ اکبر۔ کہیں یہ کہا گیا ہے کہ عالم کی دوات کی سیاہی، شہید کے خون کے قطرات سے افضل ہے۔ "شہادت" جسے میزانِ خداوندی نے سب سے بڑا وزنی عمل قرار دیا تھا، اسے وضعی روایات کی رُو سے اس قدر ارزاں کر دیا کہ (مثلاً) مسلم کی حدیث ہے۔ رسول اللہ نے صحابہ سے پوچھا کہ

تم کن لوگوں کو شہید سمجھتے ہو؟ حاضرین نے عرض کیا کہ جو خدا کی راہ میں مارا جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس طرح تو میری امت میں شہیدوں کی تعداد بہت کم رہ جائے گی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ پھر شہید کون ہے۔ فرمایا۔ جو خدا کی راہ میں مارا گیا وہ شہید، جو طاعون سے مر گیا وہ شہید، جو اسہال دستوں سے مر گیا وہ شہید، جو پانی میں ڈوب کر مر گیا وہ شہید، جو مکان گرنے سے دب کر مر جائے وہ شہید۔ (ابو داؤد اور نسائی میں ہے کہ) جو نمونیہ سے مر گیا وہ شہید، جو آگ میں جل کر مر جائے وہ بھی شہید، جو عورت وضعِ حمل سے مر جائے وہ بھی شہید۔

غور فرمایا آپ نے کہ شہادت (قتل فی سبیل اللہ) کو ان حوادث کی سطح پر لا کر اس کی اہمیت کو کس طرح ختم کر دیا گیا۔

جہاد بالسیف کے خلاف یہ کچھ تو "شریعت" کے نقاب میں کیا گیا۔ تصوف کے پردوں میں قدم اور بھی آگے بڑھایا گیا — مسلمانوں سے کہا یہ گیا کہ جہادِ اکبر، درحقیقت نفس کشی ہے۔ یعنی وہ نفس کشی جو بجائے خویش قرآنی تصورِ حیات کی نقیض اور ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں کے ہاں سے مستعار لیا ہوا تصور ہے۔ اسے انہوں نے جہادِ اکبر قرار دیا۔ اس کے بعد یہ ارشاد ہوا کہ میدانِ جنگ میں شہید ہونے والا "کشتۂ دشمن" ہے اور نفس کشی سے مرنے والا "کشتۂ دوست" — یہ اصطلاحات اس مشہور رباعی کی ہیں جسے تصوف کی بارگاہوں میں بڑے فخر سے پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی:

غازی زپئے شہادت اندر تگ و پوست ‌ ‌ ‌ ‌ فافل کہ شہیدِ عشق فاضل تر ازوست
در روزِ قیامت این باو کے ماند ‌ ‌ ‌ ‌ ایں کشتۂ دشمن است آں کشتۂ دوست

علامہ اقبالؒ اس رباعی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابلِ تعریف، مگر انصاف سے دیکھئے تو جہادِ اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دلفریب اور خوبصورت طریق اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے آبِ حیات دیا گیا ہے۔ آہ! مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔ (مکتوبِ اقبالؒ۔ بنام سراج الدین پال۔ اقبال نامہ جلد اول ص۳۳)

اور یہ زہر، صرف تصوف یا اس کی مظہر شاعری کے ذریعے ہی نہیں دیا گیا۔ اسے مختلف انجکشنوں کے ذریعے جسدِ اسلامیہ میں سرایت کیا گیا ہے۔

تمدن، تصوف، شریعت، کلام ‌ ‌ ‌ ‌ بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی ‌ ‌ ‌ ‌ یہ امت روایات میں کھو گئی!

نتیجہ اس کا یہ کہ:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

جذبۂ جہاد کی اس آتشِ فروزاں کے بجھ جانے کا نتیجہ تھا کہ تاتاریوں کا جھکڑ چلا تو سلطنتِ عباسیہ کے "راکھ کے ڈھیر" کو اڑا کر لے گیا۔

اور اُنہوں نے تیغِ ناز اٹھائی تو مسلمانانِ اندلس کا اس طرح خاتمہ کر دیا کہ اس اسپین میں، جس میں انہوں نے اس شوکت و حشمت سے صدیوں تک حکومت کی تھی، اب کسی مسلمان کی قبر تک کا نشان نہیں ملتا۔ یہ کیا تھا؟ اُسی سازش کا نتیجہ جس نے مسلمانوں کی نگاہوں میں قتال فی سبیل اللہ کی اہمیت کو ختم کر دیا تھا۔

لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ؛

سِرِّ خدا کہ زاہد و عابد بکس نہ گفت　　　در حیرتم کہ بادہ کشاں از کجا شنید

وہ سازش جسے نہ سادہ لوح اربابِ شریعت کی ظاہری آنکھ بھانپ سکی، نہ اصحابِ تصوف کی باطنی نگاہ! اسے عریاں اور بے نقاب دیکھا تو ان مستانے، بیابان کی سنانِ آہن شگاف نے جنہیں بزعمِ خویش دانشوروں کی خود فریبی "وحشی بیوقوف" کہہ کر ہمیشہ استخفاف کی نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔

وہ شیر کچھار سے نکلے

انہوں نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح، ایک طرف مولانا اقبالؒ کی چوکھٹ پر، دوسری طرف مدفنِ اقبالؒ کی دہلیز پر کھڑے ہو کر قلندرانہ بیباکی کے ساتھ کہا کہ (جراتِ عرض معاف) یہ صحیح نہیں کہ عشق کی آگ بجھ چکی ہے اور مسلمان راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گیا ہے۔ اس آگ کی چنگاری اب بھی موجود ہے۔ فرعونی مفاد پرستیوں، ہامانی دسیسہ کاریوں اور قارونی خون آشامیوں نے اس پر راکھ کی تہیں جما دی ہیں۔ اب جو ہمارے اور ہمارے خدا کے دشمن کی پھونکوں نے اس راکھ کو اڑایا ہے تو دیکھئے! یہ چنگاری کس طرح شعلۂ جوالہ بن کر ابھری ہے۔ چنانچہ یہ چنگاری اُبھری، اور سترہ روز کی قلیل ترین مدت میں، اس کی شعلہ فشانیوں نے، نیستانِ عدو کو اس طرح بھسم کر کے رکھ دیا کہ گویا لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا — گویا وہ کوئی قابلِ ذکر شے ہی نہیں تھا۔ اس طرح ان مجاہدینِ ملت نے اقبالؒ کے اس خواب کو حقیقت بنا کر دکھا دیا کہ

نکل کے صحرا سے جس نے رُوما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ میں نے قدسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

اور ساری دنیا نے اس دعویٰ کی صداقت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا کہ

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

سینکڑوں مباحثے، ہزاروں مناظرے، لاکھوں دواتیں اور کروڑوں قلم ایک طرف، اور جوانانِ خود آگاہ و خدامست کی میدانِ کارزار میں ایک ضرب کاری دوسری طرف۔ میزانِ خداوندی میں اس کا وزن ان سب سے زیادہ ہے۔ آج اگر دنیا کے نقشے پر مملکتِ پاکستان کا وجود نظر آتا ہے اور اس مملکت میں ہم زندہ اور سلامت چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں، تو یہ صدقہ ہے انہی سرفروشانِ ملت کے قطراتِ خون کا، جنہوں نے "ہمارے کل کی خاطر اپنا آج قربان کر دیا"۔ جب تک مملکتِ پاکستان زندہ و پائندہ ہے — اور خدا اسے ابد الآباد تک زندہ و پائندہ رکھے — اور جب تک اس میں ایک احسان شناس متنفس بھی باقی ہے، شہدائے ستمبر کے خون کی تابانی میں ذرا فرق نہیں آ سکتا۔ اور اگر بالفرض قوم نے اسے اپنی احسان فراموشیوں کی چادر دل سے ڈھانپ بھی دیا، تو بھی اس کی درخشندگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا — رنگینیٔ خونِ شہداء تو غازۂ حسنِ کائنات ہوتی ہے جسے خود مشاطۂ فطرت "آرائشِ جمالِ سرمدی کے لئے"، اپنے دستِ آویز میں ابد الآباد تک محفوظ رکھتی ہے۔

جنگِ ستمبر کے شہیدو اور غازیو! ملت کے مقدر کے ستارے تمہیں جھک کر سلام کہتے ہیں!

—— (٠) ——

اور مارچ ۱۹۷۱ء میں

لیکن یہ "حق و باطل کی کشمکش" کی یہ داستان، ستمبر ۱۹۶۵ء میں ختم نہیں ہو جاتی، اس کا سلسلہ آگے بھی بڑھتا ہے۔ اگر تصوف کی اصطلاح کے بدلے ہوئے مفہوم میں، اس جنگ شہدا کو "کشتۂ دشمن" کہا جائے تو ہمارے جانبازوں نے ابھی "کشتۂ دوست" بننے کا عبرت آموز اور خونناب فشاں نظارہ دنیا کو دکھانا تھا۔

اور یہ نظارہ انہوں نے مارچ۔اپریل ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے لالہ زاروں میں دکھا دیا۔ ۱۹۶۵ء میں ہندو خود اپنے لباس میں سامنے آیا تھا۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں وہ مسلمانوں کا کرتہ پاجامہ پہن کر حملہ آور ہوا۔ اس وقت اس نے پاکستان کے سینے میں تلوار پیوست کرنی چاہی تھی۔ اب اس نے اس کی پشت میں خنجر گھونپنے کی ٹھانی۔ ۱۹۶۵ء کی ناکامی کے بعد وہ برابر اسی ادھیڑ بن میں لگا رہا کہ اس مملکت کو (خاکم بدہن) ختم کس طرح سے کیا جائے۔ اس کے لئے اسے جعفر و صادق نہایت آسانی سے اور بہت سستے داموں مل گئے۔ یہ سازش بڑی گہری اور یہ وار بڑا پُرخطر تھا۔ اور جتنا پُرخطر تھا، اس کا مقابلہ اس سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہمارے شیر ایک ہی للکارے کچھاروں سے نکل کر دشمن پر جھپٹ پڑے اور پوری جرأت اور بسالت سے اس پر حملے کرتے ہوئے چاروں طرف پھیل گئے۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں صورت اس سے بالکل مختلف تھی۔ غدارِ ازلی شیخ مجیب الرحمٰن اور اس کی (نام نہاد) "مکتی فوج" نے ۳ مارچ سے مشرقی پاکستان کے طول و عرض میں فسادات برپا کرنے شروع کر دیئے اور کامل بائیس تیئیس دن تک قتل و غارت گری کا اس طرح طوفان اٹھایا کہ ان مفسدین کے سامنے نہتے اور بے کس و بے بس شہریوں کے سوا کوئی تھا ہی نہیں جو ان کے راستے میں روک بن کر کھڑا ہوتا۔ ہماری فوج وہاں موجود تھی لیکن حکومت کی مصلحت کے ماتحت، ان سے کہا گیا تھا کہ وہ خاموش کھڑی رہے۔ اس نے خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھا ہی نہیں، بلکہ خود اس کے اپنے خلاف جو کچھ ہوا، اسے بھی پورے ضبط و تحمل سے برداشت کیا۔ عام خبروں کے مطابق، اس کا دانہ پانی بند کر دیا گیا۔ اسے بارکوں میں محبوس رکھا گیا۔ اسے گالیاں دی گئیں، سپاہیوں کے منہ پر تھوکا گیا، بھرے بازاروں میں ان کے افسروں کی بے عزتی کی گئی، ان کے بیوی بچوں کو انتہائی بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ انہوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن چونکہ حکم تھا، کہ تم نے قطعاً ہاتھ نہیں اٹھانا، اسلئے انہوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا اور انتہائی ضبط سے برداشت کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سپاہی کے لئے یہ آسان ہے کہ وہ دشمن پر بے باکانہ وار کرتے ہوئے، ہنستا کھیلتا اپنی جان دے دے لیکن ایسی مثال شاذ ہی ملے گی کہ دشمن اسے گالیاں دے رہا ہو، بھری ہوئی بندوق اس کے ہاتھ میں ہو، لیکن وہ نہ بندوق اٹھائے، نہ زبان سے اس کی گالی کا جواب دے۔ یہ کچھ بھی ہمارے جیالے ہی کر سکتے تھے۔ ہر ایک کے بس کی یہ بات نہیں تھی۔

رستم سے کوئی کہہ دے، سر تیغ تلے دھر دے
پیارے یہ بھلے سے ہو، ہر کارے و ہر مردے

کامل بائیس تیئیس دن انہوں نے اس عدیم النظیر ضبط و تحمل سے کام لیا، اور جب مقابلے کی اجازت ملی تو بائیس تیئیس گھنٹے سے بھی کم عرصہ میں وہ کچھ کر دکھایا جس کی مثال تاریخ میں کم ملے گی۔ کہا گیا ہے کہ مقابلہ میں قریب دو لاکھ کی فوج تھی اور ان کی نفری بارہ بٹالین سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن ان مجاہدوں نے ان لاکھوں کا اس طرح بھرکس نکال دیا کہ (نام نہاد) "بنگلہ دیش" کے بدفطرتوں اور ان کے بھارتی حامیوں کی چیخیں آج تک ختم نہیں ہوئیں ۔۔۔ اور ان جاں سپاروں اور سرفروشوں نے یہ کچھ ان حالات میں کر دیا کہ خود ملک کی سول آبادی غداروں سے اٹی پڑی تھی۔ اور کسی مقام پر کسی کے متعلق نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ دوست ہے یا دشمن۔ ایسے حالات میں انہوں نے اس نہایت خطرناک سازش کا قلع قمع کیا اور اس طرح پاکستان کو گویا ایک نیا جنم عطا کر دیا۔ ہمارے نزدیک ۲۵، ۲۶ مارچ کی درمیانی شب، مملکتِ پاکستان کی نشاۃِ ثانیہ کی رات تھی جس کی یاد کا قائم کرنا اور تازہ رکھنا اسی طرح ہمارا ملی فریضہ

ہے جس طرح اہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی یاد تازہ رکھنا — لیکن ان دونوں یادگاروں میں، ایک اور بنیادی فرق بھی ہے۔ ۱۹۶۵ء کے شہیدوں اور غازیوں کے نام بہ آوازِ بلند پکارے گئے۔ ان کے محیر العقول کارناموں کے تذکرے، بہ چنگ و طبل فضاؤں میں گونجے۔ انکی یادگاریں قائم ہوئیں۔ ان کی معرکہ آرائیوں اور جاں نثاریوں کے تذکروں پر مشتمل مقالات لکھے گئے۔ کتابیں تصنیف ہوئیں۔ قوم نے ان کی مدح و ستائش میں قصیدے پڑھے۔ ان کی عظمتوں کے گیت گائے۔ وہ میدان جن کے ذرّوں نے ان کے مقدس خون سے ابدی تابانیاں حاصل کی تھیں، پاکستان کی نئی زیارت گاہیں بنے، اور یہ زیارت گاہیں ہمیشہ کے لئے، قوم کے خراجِ تحسین کی آماجگاہیں بنی رہیں گی — لیکن، ان کے برعکس، مشرقی پاکستان کے شہیدوں اور غازیوں کی معرکہ آرائیوں اور جاں فشانیوں کے تذکرے بلند کرنا تو ایک طرف، قوم ان کے نام تک بھی نہیں سننے پائی — یہ رموزِ مملکت ہیں جنہیں اربابِ مملکت ہی بہتر جان سکتے ہیں۔ لیکن ان کے نام معلوم ہوں یا نہ، قوم ان کے اس احسانِ عظیم کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے اپنے خون کی قیمت دے کر صرف مشرقی پاکستان ہی کو از سرِ نو نہیں خریدا، پوری کی پوری مملکتِ پاکستان کو محفوظ کر دیا۔ عسکری روایات کا ایک دستور یہ ہے کہ وہ "گمنام سپاہیوں" کی یادگار پر اپنی عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ ہم بھی اسی "حسین و سادہ و رنگین" روایت کے تتبع میں مشرقی پاکستان کے اُن

گمنام سپاہیوں

کی بارگاہ میں اپنی چشمِ خونفشاں کے روشن چراغ پیش کرتے ہیں، جنہوں نے، بلند بانگ مدعیانِ تحفظِ مملکت کو اس فراموش کردہ سبق کی یاد دلائی کہ

اے مرغِ سحر! عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (۲/۱۵۷)

پرویز - یکم اگست ۱۹۷۱ء

جہانِ نو

مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کی تفصیلی فہرست جسے

آپ ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر بلا قیمت حاصل فرما سکتے ہیں۔

اعلان

ماہنامہ طلوعِ اسلام ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں سپردِ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ اگر کسی خریدار کو پرچہ وقت پر نہ ملے تو اسکی اطلاع ادارہ میں ۱۵ تاریخ سے پہلے پہنچ جانی چاہیے تاکہ تعمیل کی جا سکے۔

اطلاع پندرہ تاریخ کے بعد موصول ہونے کی صورت میں پرچہ قیمتاً ارسال ہو گا۔

(۱) خط و کتابت میں سالانہ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

ناظم

بقیہ: "لمعات" مسلسل از صفحہ ۱۶

کیفیت کی آئینہ دار ہیں؟ اس کیفیت کی کہ جب احساسِ کمتری میں مبتلا انسان کو اپنے حقیقی یا وضعی حریف سے انتقام لینے کا موقعہ ملتا ہے تو وہ اپنے سینے میں دبی ہوئی آگ کو کس کس قسم کے انسانیت سوز طریقوں سے فرو کرتا ہے۔ یہی وہ جوشِ انتقام تھا جس سے مغلوب ہو کر مجیب اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور وہ (ہندوستان کے بھرے میں آکر) کھلی ہوئی بغاوت پر اتر آیا۔ اگر وہ اپنا عقلی توازن قائم رکھتا تو جو کچھ وہ بغاوت سے حاصل کرنا چاہتا تھا (اور نہ کر سکا) وہ نہایت آسانی سے آئینی طور پر حاصل کر لیتا۔ وہ اپنی مطلق اکثریت (ABSOLUTE MAJORITY) کو لیکر مرکزی حکومت میں آجاتا اور اسکے بعد آئینی طور پر جو جی میں آئے کرتا چلا جاتا۔ اس کی مرکزی حکومت کے قیام کے بعد مارشل لا کو بہر حال ختم ہو جانا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بتدریج آئینی طور پر اپنی ہر اسکیم کو کامیاب بنا سکتا تھا۔ اسکے لئے اگر اُسے کسی تائید کی ضرورت پڑتی تو مغربی پاکستان کا ہر "لیڈر" اسے خوش کرنے میں اپنی خوش بختی اور سعادت سمجھتا۔ یہاں "چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والوں کی کمی کیا تھی — اور پھر سورج بھی ایسا جس کے غروب ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ اگر مجیب قوت کے نشہ میں بدمست اور جوشِ انتقام میں مدہوش نہ ہو جاتا، تو وہ آئینی طور پر پاکستان کو ختم کر سکتا تھا۔ اسکی مدہوشی اس لحاظ سے ہمارے لئے آیۂ رحمت ہوئی کہ ہمیں موقعہ مل گیا کہ ہم اس مسئلہ پر اس نقطۂ نگاہ سے ازسرِ نو غور کر سکیں۔

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس نقطۂ نگاہ سے اب بھی اس مسئلہ پر غور نہیں کیا جا رہا۔ اب بھی لیڈروں کی طرف سے اس مسئلہ کے جو حل تجویز کئے جا رہے ہیں وہ یا تو مفاد پرستیاں ہیں اور یا گریز کی راہیں۔ اس کے لئے عارضی حل جو جی میں آئے تجویز کر لیجئے — اور عارضی حل کے سلسلہ میں بھی ہم سمجھتے ہیں کہ وہاں سے فوجی کنٹرول سردست کسی حال میں بھی نہیں اٹھانا چاہیئے — لیکن جہاں تک مستقل حل کا تعلق ہے، وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان میں نفسیاتی تبدیلی پیدا کی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ نظریۂ پاکستان (یعنی قرآن کے ابدی اصولوں اور مستقل اقدار) کی نشر و اشاعت، اور درس و تدریس مسلسل اور متواتر کی جائے۔ اس نظریہ کی رُو سے:

(۱) انہیں بتایا جائے کہ اسلام میں قومیت کا مدار وطن یا نسل کا اشتراک نہیں بلکہ صرف دین کا اشتراک ہے اس لئے بنگالی مسلمان اور غیر بنگالی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں، اور بنگالی مسلمان اور بنگالی ہندو ایک قوم کے افراد نہیں ہو سکتے۔

(۲) جب بنگالی مسلمان اور غیر بنگالی مسلمان ایک قوم کے افراد اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں، تو ان میں بے اعتمادی کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ بے اعتمادی ہندوؤں کے پراپیگنڈہ کی پیدا کردہ ہے۔

(۳) وہاں (اور وہاں کیا، سارے پاکستان میں) نظام و نصابِ تعلیم میں انقلابی تبدیلی پیدا کی جائے۔

(۴) جمہوریت کا ایسا نظام متعین کیا جائے جس میں اقتدارِ اعلیٰ کسی پارٹی کو حاصل نہ ہو۔ یہ اقتدار قرآن مجید کے ابدی اصولوں کو حاصل ہو جن کا اطلاق ہر ایک پر یکساں طور پر ہو۔

(۵) ملک میں قرآن کا معاشی نظام نافذ کر دیا جائے جس کی رُو سے نہ ذرائع پیداوار کسی کی ذاتی ملکیت میں رہیں اور نہ ہی کسی کے پاس فاضلہ دولت رہے اور تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا مملکت کی آئینی اور قانونی ذمہ داری ہو۔

یہ مراحل بڑے دشوار گذار، ہمت طلب، صبر آزما، اور طویل المیعاد ہیں۔ لیکن ہماری قرآنی بصیرت کی رُو سے پاکستان کی سالمیت اور استحکام کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔ ہم نے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا لیا ہے جہاں تھوڑے سے مزید عرصہ کے لئے بھی حقائق سے چشم پوشی اور خود فریبی، ہمیں ہلاکت کے جہنم میں دھکیل دے گی۔ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ؟ کیا لیڈروں میں کوئی ہے جو اس پہ کان دھرے!

کتاب التقدیر

تقدیر کا مسئلہ دنیا کا مشکل ترین مسئلہ ہے جس سے اس قسم کے سوالات ابھرتے ہیں کہ :-

(۱)۔ کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوئی ہوتی ہے ؟

(۲)۔ کیا سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ؟

(۳)۔ کیا رزق خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کہ وہ جسے چاہے امیر بنا دے اور جسے چاہے کنگال کر دے ؟

(۴)۔ کیا مصیبتیں سب خدا کے حکم سے آتی ہیں ؟

(۵)۔ کیا عزت اور ذلت خدا کی طرف سے ملتی ہے ؟

(۶)۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ ــــ موت کا ایک دن مقرر ہے ' یا انسان کی عمر گھٹ بڑھ سکتی ہے ؟

(۷)۔ بعض بچے پیدائشی اندھے ، اپاہج ، لُولے ، لنگڑے ہوتے ہیں ۔ ایسا کیوں ہوتا ہے ؟

(۸)۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ وہ جسے چاہے لڑکے دے ، جسے چاہے لڑکیاں دے ؟

(۹)۔ کیا دعا سے تقدیر بدل سکتی ہے ؟ اگر نہیں بدل سکتی تو پھر دعا کیوں مانگی جاتی ہے ؟

یہ ' اور اسی قسم کے دیگر سوالات کا نہایت اطمینان بخش جواب ' قرآن مجید کی روشنی میں ــــ پرویز صاحب نے تقدیر کے مسئلہ کو جس نے ہزارہا سال سے انسانی ذہن کو طلسمِ پیچ و تاب بنائے رکھا ہے ، اس خوبصورتی سے حل کر کے رکھ دیا ہے کہ زبان پر بے اختیار تحسین و تبریک کے الفاظ آ جاتے ہیں ۔ کتاب خاصی ضخیم ہے اور عمدہ سفید کاغذ پر چھاپی جا رہی ہے ۔ امید ہے شروع اکتوبر تک مکمل ہو جائے گی ۔ کاغذ کی کمیابی اور گرانی کی وجہ سے کتاب محدود تعداد میں چھاپی گئی ہے اس لئے اگر آپ ابھی سے اپنی فرمائش بھیجدیں گے تو آپ کو بعد میں مایوس نہیں ہونا پڑے گا ۔

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام

۲۵ - بی ۔ گلبرگ (۲) ۔ لاہور

سُنیئے! آپ کے نونہالانِ ملّت کیا کہتے ہیں؟

دیکھئے، کہ ان کی سوچ کا رُخ کس سمت کو ہے؟

۱۔ پاکستان بنایا ہی کیوں تھا؟

ایک شام ایک نوجوان ہمارے پاس آیا۔ بی اے کا طالب علم۔ نہایت تیز اور بیباک۔ آتے ہی جس انداز سے اس نے باتیں شروع کیں اس سے یہ معلوم کرنے میں ہمیں ذرا سی بھی دشواری نہ ہوئی کہ اس کے سینے میں معاشرہ کے خلاف جذبۂ نفرت و انتقام ابل رہے ہیں۔ ذہن سراسر تخریبی ہے اور کمیونزم (یا بالفاظ صحیح، کمیونسٹوں) سے متاثر۔ معلومات کی بے حد کمی ہے لیکن اپنے آپ کو ہمہ دان سمجھتا ہے۔ اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ آپ کو اس کا علم نہیں تو ایک تحقیری استخفاف کی ہنسی سے اس کا استقبال کرتا ہے۔ ہم نے اس نوجوان کو اپنے قریب کر لیا کیونکہ ہمارے نزدیک وہ ہماری موجودہ نوجوان سرکش نسل کا صحیح ترجمان تھا۔ جو کچھ اس نے کہا (اور جس کے دوران اس نے مخاطب کو ایک لفظ تک کہنے کی مہلت یا اجازت نہ دی) اس کا ملخص حسب ذیل تھا:

ہندوستان میں رہتے ہوئے ایک الگ مملکت کے مطالبہ سے بالآخر مقصد کیا تھا۔ دنیا کی کونسی قوم ہے جس نے اپنے ملک کو تقسیم کرایا ہو۔ اس تقسیم سے ہم نے مشکلوں اور مصیبتوں کے سوا اور حاصل کیا کیا۔ معاشی حالت ہماری ابتر، سیاسی انتشار رہا ہے مال شدید تر، جنگ کا خطرہ مسلسل۔ اقوام عالم میں ہماری حالت کمزور تر اور اس لئے ذلیل تر۔ پھر تقسیم کے اس مطالبہ کے ساتھ مذہب کا اڑنگا کیوں؟ اور اس کے بعد یہاں بھی ہر معاملہ میں مذہب، مذہب کی رٹ کا ہے کے لئے۔ اگر اپنی الگ مملکت کی ضرورت اس لئے تھی کہ غریبوں کی حالت سنواری جائے تو کیا ہندوستان میں، ہندوؤں سکھوں وغیرہ میں غریب نہیں تھے؟ تقسیم کی بنیاد طبقاتی ہونی چاہیئے تھی۔ یعنی ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی غریب ایک قوم اور انہی پر مشتمل امیروں کا طبقہ دوسری قوم۔ یہ ہونا چاہیئے تھا دو قومی نظریہ۔ باقی رہی آزادی' سو ہم نے آزادی حاصل کرنے کے لئے کونسے انگریز کے خلاف گولی چلائی تھی! ہم نے قتل کیا تھا تو اپنے ہی بھائیوں، ہندوؤں سکھوں کو۔ انگریز کے ہم پٹھو تھے اور انہی کی شہ پر ہم نے ملک کو تقسیم کرایا تاکہ ان کے جانے کے بعد بھی ان کی (DIVIDE AND RULE) کی پالیسی برقرار رہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم نے اپنی آئیڈیالوجی کی خاطر الگ مملکت قائم کی تھی۔ سوال یہ ہے کہ وہ آئیڈیالوجی ہے کہاں؟ وہ آئیڈیالوجی ممکن العمل ہی نہیں تھی۔ اگر وہ ممکن العمل ہوتی تو وہ یہاں آ کر چلتی کیوں نہ؟ ایک شاعر کے خواب کو سیاست کی بنیاد بنا کر قوم کو تباہ اور ملک (یعنی ہندوستان) کو کمزور کر دیا۔ پھر اس آئیڈیالوجی کو قوم کے سب سے بڑے لیڈر جناح نے اپنے اوپر کیوں نہ وارد کیا! وہ سب سے بڑا بورژوا تھا۔ کروڑوں روپوں کی جائیداد کا مالک ۔۔۔

کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہنے والا۔ کاروں میں سفر کرنے والا۔ اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والا۔ سوٹڈ بوٹڈ۔ کیا انقلاب اسی قسم کے لیڈر لایا کرتے ہیں۔ انقلاب لاتے ہیں لینن جیسے لیڈر، ماؤزے تنگ جیسے قائد۔ ہمارے لیڈر عیش و آرام کی زندگی بسر کرکے چلتے بنے اور ہم آنے والی نسلوں کو مصیبتوں میں گرفتار کر گئے۔ حماقتیں انہوں نے کیں، نتائج ہم بھگت رہے ہیں۔

وہ نوجوان جوش میں بھرا ہوا بلا تامل و بلا توقف اسی رَو میں بہے چلا گیا۔ ہم نے درمیان میں کہیں ایک آدھ لفظ کہنا چاہا تو اس نے ہمیں یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ آپ خاموش رہیے۔ ایسے ایسے وعظ میں نے بہت سنے ہیں۔ چونکہ ہم چاہتے تھے کہ ہمیں اچھی طرح اور براہِ راست معلوم ہو سکے کہ ہماری قوم کا یہ طبقہ سوچتا کس انداز سے ہے اس لئے ہم نے بھی اسے ٹوکا نہیں۔ وہ اسی رفتار سے قریب آدھ گھنٹے تک بولتا رہا اور جب اس کے دل کا غبار اچھی طرح سے نکل گیا اور غصہ تھم گیا تو ہم نے نہایت شگفتہ انداز میں اس سے باتیں شروع کیں۔ ہم نے دیکھا کہ اسے قطعاً معلوم نہیں تھا کہ تقسیم سے پہلے ہندوستان کے سیاسی کوائف کیا تھے، اور مسلمانوں کی حالت کیا۔ ان کے مسائل کیا تھے اور ان کا حل کیا۔ ہندو کیا تھا اور کیا چاہتا تھا۔ انگریز کا رول کیا تھا اور اس کا عندیہ کیا۔ قائداعظم کی شخصیت کیسی تھی اور انہوں نے ہندو اور انگریز کے مشئوم عزائم کو کس طرح ناکام بنایا۔ پاکستان کی آئیڈیالوجی کیا تھی۔ اور یہاں آکر جھگڑا کیوں نہ ۔ ہمارے مطالبہ میں (اس کے الفاظ میں) "مذہب کے اڑنگے" کا مقصد کیا تھا؟ اور اب بھی ہم کوئی بات "مذہب" کے بغیر کیوں نہیں کرتے۔ غرضیکہ ان مسائل کے متعلق اس کی معلومات بالکل صفر کے برابر تھیں لیکن اس کا دعویٰ ہمہ دانی کا تھا اس لئے ہم نے ان امور کے متعلق گفتگو اس انداز سے کی جس سے اس کے پندارِ نفس کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ ہم نے دیکھا کہ جاتے وقت کم از کم اس کے غصہ کی شدت میں ایک حد تک کمی آگئی تھی۔

(۰)

وہ نوجوان تو چلا گیا لیکن ہمارے سوچنے کے لئے کافی سامان چھوڑ گیا۔ اس سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے جس تک ہم اس سے بہت پہلے پہنچ چکے تھے۔ یعنی یہ ہماری تعلیم کا نقص ہے جس سے ہم نے اپنی موجودہ نسل کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ ہم نے انہیں کسی مثبت اقدار سے روشناس کرانا تو ایک طرف، تحریکِ پاکستان کی تاریخ، اور اس کے محرکات تک سے بھی آگاہ نہیں کیا۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ہندو کیا ہے؟ اس وقت ہمارے ذہن میں اس کا وہی علاج آیا جسے سعدی نے گلستان میں اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک بادشاہ دریا کی سیر کے لئے نکلا۔ کشتی میں اعیان و ارکان کے علاوہ ایک حبشی غلام بھی تھا جس نے اس سے پہلے کبھی کشتی کا سفر نہیں کیا تھا۔ جب کشتی ذرا آگے بڑھی اور موجوں کی طغیانی نے اسے ہچکولے دینے شروع کئے تو وہ لگا چیخنے چلانے۔ ہم جلیسوں نے بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی کہ اس میں کوئی خطرے کی بات نہیں، لیکن اس کا واویلا بڑھتا ہی چلا گیا۔ بادشاہ کی طبیعت زیادہ منغض ہوئی تو ایک دانشور اٹھا اور اس نے اس غلام کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ اس نے دو چار غوطے کھائے تو لگا مدد کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے۔ اس دانشور نے اسے بالوں سے پکڑ کر دریا سے نکال لیا۔ اب وہ کشتی کے ایک کونے میں ایسا دبک کر بیٹھ گیا کہ اونچی سانس تک نہ لی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری موجودہ نسل کے اس شور و فغاں کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں برس چھ مہینے کے لئے ہندوؤں کے ہاں بھیج دیا جائے۔ جب یہ واپس آئیں گے تو پھر یہ بات ان کی سمجھ میں آجائے گی کہ پاکستان کتنا بڑا گوشۂ عافیت ہے اور اس کا باقی رہنا کیوں ضروری۔ جب یہ بنیادی مسئلہ سمجھ میں آجائے گا تو پھر یہ اس موڈ میں آجائیں گے کہ یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ پاکستانی آئیڈیالوجی سے کیا مراد ہے اور وہ کس طرح عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

اے کاش! یہ باتیں انہیں ہماری درسگاہوں میں بتائی جاتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ دیکھتے کہ یہی نوجوان کس طرح پاکستان کے تحفظ اور بقا کے لئے اپنی جانیں تک دے دینے کیلئے آمادہ نہیں ہو جاتے — اور آمادہ بھی اس طرح کہ گویا — سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا۔

(۰)

۲۔ ایک مذہب گزیدہ کا خط

اب اس خط کو ملاحظہ فرمایئے جو اسلامیہ کالج کے ایک طالب العلم کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ آپ مکتوب نگار کی ناپختگیٔ تحریر کی طرف نہ جایئے۔ اس کے تاثرات پر نگاہ رکھیئے۔ یہ نوجوان "ہنوز عالم برزخ" میں ہے — نہ اِدھر کا' نہ اُدھر کا۔ ہمارے نوجوانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے۔ یہ طالب العلم اسی طبقہ کی نمائندگی کرتا ہے۔

خط ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ گزرتے ہوئے جنت کا مژدہ سنا۔ یکدم مڑ کر دیکھا ایک بزرگ ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک نوٹ باباجی کی جیب میں پہنچ چکا تھا — جا بیٹا! خدا نے تمہیں اتنی دولت بخشدی ہے کہ تمہاری سات پشتیں بھی سنبھال نہیں سکیں گی۔ صرف ایک نوٹ نے مجھے اتنی دولت بخشش دی؟ جو شخص ایک نوٹ لیکر اتنی دولت بخشوا سکتا ہے وہ خدا سے اپنے لئے کیوں نہیں مانگتا۔ کیا خدا ہاتھ پھیلانے والوں کو پسند کرتا ہے؟ اور خدا کے نزدیک ایسے شخص کی اتنی اہمیت ہے کہ وہ اس کے ایک اشارے پر کائنات کو الٹ کر رکھ دے۔ یہ اور بات ہے کہ میں آج تک اس غیبی دولت کا انتظار کر رہا ہوں۔

۲۔ میں ملتان سے لاہور جا رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ بس رکی اور ایک نورانی صورت بس میں سوار ہوئے۔ انہوں نے اپنی صندوقچی بلائی اور فرمانے لگے۔ اے مومنو اور مسلمانو! خدا کا گھر بن رہا ہے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ رسول اور خدا کا فرمان ہے۔ جو شخص دنیا میں خدا کا گھر تعمیر کریگا خدا اس کے لئے جنت میں ہیرے جواہرات سے مکان تعمیر کریگا۔ جہاں سونے چاندی کے برتن ہونگے۔ اے مومنو! وہاں حوریں تمہاری باندیاں ہوں گی۔ خدا قیامت کے روز تمہاری بخشش کرے گا۔ تمہارے پیسوں کا ثواب تاقیامت ملے گا۔ کچھ لوگوں نے پیسے دے دیئے۔ انہوں نے چپکے سے کنڈکٹر کو اس کا حصہ دیا اور اتر گئے۔

اسلام کا مقدس نام لے کر جنت کے سبز باغ دکھا کر پیسے بٹورنا' عام عادت بن چکی ہے اور پیشۂ گداگری میں اس کا اہم مقام ہے۔ مسجد سے لے کر مذہب کے ہر شعبے تک پیسے کمانا ایک رسم بن چکی ہے۔

۳۔ قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں اکثر جاتا رہتا ہوں۔ یہاں بہت سے مزار ہیں۔ ان میں بعض کافی شہرت رکھتے ہیں۔ پہلا مزار شاہ رکن عالم کا ہے۔ ان کی قبر زمین سے تقریباً پانچ فٹ اونچی ہے۔ پاؤں کی جانب زمین سے ایک ایک فٹ اونچائی پر ایک خانہ بنا ہوا ہے۔ اکثر لوگ اس خانہ میں سر گھسا دیتے ہیں اور شاہ صاحب سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں۔

اگر کسی کو کہا جائے۔ تم قبروں پر کیوں جاتے ہو۔ بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں۔ یہ خدا کے مقرب ہیں... ہیں۔ خدا اپنے نیک بندوں کی باتیں جلد قبول کرتا ہے۔ ان کی معرفت ہماری دعا جلد قبول ہو جاتی ہے۔ خدا ہمارے گناہ جلدی بخش دیتا ہے۔ ہم ان کے پاس جاتے ہیں وہ ہماری دعا قبول کروا دیتے ہیں۔

لوگ گناہ کرتے ہیں اور جرم کرتے ہیں۔ پھر انہی بزرگان دین کے مقبروں پر جا کر بخشوا لیتے ہیں اور پیر صاحب کو اپنے گناہ کی

ایک ایک تفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں چھپا ہوا درد ان کے سامنے کھول کر رکھ دیتے ہیں اور پھر اطمینان کی دولت لے کر واپس آتے ہیں اور مقدمات سے بری بھی ہو جاتے ہیں۔

ایک عیسائی، پادری کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ کیا یہی پیر صاحبان اس وقت پادری کا کردار ادا کرتے نظر نہیں آتے؟

ایک ہندو اس لئے بت کے آگے نہیں جھکتا کہ وہ اس کا خدا ہے بلکہ وہ اپنے ہاں کے دیوی دیوتاؤں کے مقرب لوگوں کے سامنے صرف اس لئے جھکتا ہے کہ وہ دیوتا کے مقرب ہیں۔ دیوتا ان کی جلد سنتا ہے اور وہ اس دیوتا کے مقرب کی معرفت اپنے گناہوں کو معاف کرواتے ہیں اور مسائل حل کراتے ہیں۔

کس قدر فریب نفس ہے۔ ہم اپنے آپ کو کس طرح دھوکہ دے رہے ہیں۔ ہم نے خدا کے قوانین کو چھوڑ دیا اور امید اس بات کی لگائے بیٹھے ہیں کہ خدا نے جن باتوں کا وعدہ کیا ہے وہ پوری ہونگی۔ اور جب ہماری خواہشات یا خدا کے دنیاوی وعدے ہمارے اعمال کی وجہ سے پورے نہیں ہوتے تو ہم سمجھتے ہیں کہ "پیر صاحب" ناراض ہیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی طرف دوڑتے ہیں جو خدا کے مقرب ہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی پیر صاحب کی قبر کو اکھاڑ کر دیکھا جائے تو وہاں ہڈیوں کے ڈھانچے کے سوا کچھ نہیں ملیگا۔ ایک مردہ شخص ہماری زندگی پر کیسے اثر انداز ہو سکتا ہے؟ اگر ہماری بعض باتیں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ ہمارے عقاید کی وجہ سے ہے جو ہمارے ذہنوں میں راسخ ہو چکے ہیں۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعض عقیدت ہمیں وہ کچھ دے دیتی ہے جو ہم اپنے ذہن میں سجائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اپنے "کارنامے" سنا کر اطمینان کی دولت حاصل کرنیوالوں کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے یہ اطمینان نفسیاتی اعمال کے مرہون منت ہے۔

اور یہ بات اب حقیقت کا روپ دھار گئی ہے کہ تمام مذاہب کسی نہ کسی طور پر مماثلت رکھتے ہیں۔

۴۔ پچھلے دنوں اسی قلعہ پر ایک مزار کے سامنے ایک نورانی پیکر ڈھول کی تھاپ پر دھمال ڈال رہے تھے۔ میں نے بور ہو کر اپنے دوست سے کہا چلو بھئی۔ لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ آخر میں بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور لطف اندوز ہونے لگا۔ وہ دوست کچھ دیر بعد کہنے لگا، یہاں کافی تعداد میں عورتیں بھی کھڑی ہیں اور یہ پیر صاحب ترنگ میں آ کر کس بیحیائی سے ناچ رہے ہیں۔ میرے منہ سے یکدم نکل گیا۔ "اے پگلے! یہی تو اسلام ہے!"

اسلام جو کائنات کی وسعتوں سے زیادہ وسیع تھا، جو زمان و مکان کی قیود سے ماورا تھا، اب مسجدوں اور خانقاہوں اور مودودی صاحب تک محدود ہو کر رہ گیا ہے ــــ مومن جس کی فراست سے لوگ ڈرتے تھے اب ڈھول کی تھاپ پر گھٹیا انداز میں ناچتے نظر آتے ہیں۔

۵۔ میں گورنمنٹ کالج میں اپنے دوست سے ملنے گیا۔ موصوف ہوسٹل میں رہتے ہیں۔ وہ فرمانے لگے۔ میری جائے نماز کہاں ہے۔ ان کے ایک روم میٹ نے کہا، یہ رہی۔ انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے۔ میری جائے نماز پر یہ تمام نمازیں پڑھتے رہتے ہیں اور مجھے مفت کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ اور مزید فرمایا۔ اگر کسی بزرگ کو ایک جائے نماز اور تسبیح لے کر دیدی جائے تو کیسا ہے۔ ہم جو مرضی آئے کریں لیکن ہمیں مفت کا ثواب ملتا رہے گا۔

میں نے کہا۔ دیکھئے جناب! دنیا والے سرمایہ داری سے پیچھا چھڑا رہے ہیں اور آپ سرمایہ داری اپنا رہے ہیں۔ آپ سرمایہ دار بغیر کچھ کئے نصف فصل کا مالک بن جاتا ہے۔

اب ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارا اسلام کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ جو مسلسل عمل پیہم کا درس دیتا تھا اب اس نے میں بیٹھنے کو کہتا

ہے۔ مومن کی زندگی میں کبھی جمود نہیں آتا۔ کبھی یہاں ــــ تمام زندگی ایک دائرے میں چکر لگاتے گذر جاتی ہے۔
اسلام ــــ قرآن جس کے قوانین کائنات کے ذرّے ذرّے میں کارفرما نظر آتے ہیں، ہماری بے عقلی ــــ اسلاف پرستی کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں۔ قانونِ فطرت ہم پر افسوس کرتا ہے۔

ہماری غربت وافلاس میں ڈوبی ہوئی زندگی ــــ ہم میں سے ہی جن کی زندگی عیش وعشرت کا ٹریڈ مارک ہے' وہ اسلام کے علمبردار ہیں ــــ وہ اسلام جو ذہنوں پر پابندی لگاتا ہے، جو اسلام ہر منٹ پر تبدیل ہو، وہ اسلام جو کسی ایک کے ہاتھ میں مقید ہو وہ اسلام جو عورتوں کو زندہ درگور کرتا ہے۔ جو ترکِ دنیا کا درس دیتا ہے ــــ وہ لوگ اسلام کے علمبردار ہیں جنکے کردار سرمایہ دارانہ کی جان ہیں، جو خدا کی حکومت کے بجائے اپنی ڈکٹیٹر شپ جمانا چاہتے ہیں' جو اپنی آواز کو خدا کی بے آواز لاٹھی سمجھتے ہوں۔

ایسا اسلام' اسلام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ تو رولڈ گولڈ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی مذہب پر اسلام کا ملمع کر دیا گیا ہو' یا اسلام کو مذہب میں تبدیل کر دیا گیا ہو۔ نئی نسل اسے چھوڑ دے گی۔ اگر یہ علماء کرام چاہتے ہیں کہ اسلام نئی نسل کے ذہنوں سے نہ نکلے، تو انہیں قرآن کو ہمارے سامنے کھول کر رکھنا ہوگا۔ اور اس اسلام کو جو ہمارے ذہنوں کو اپیل نہیں کرتا کسی تابوت میں دفن کرنا ہوگا۔ ورنہ کوئی بعید نہیں کہ ہم کسی اور راہ پر گامزن ہو جائیں۔

اسلاف پرستی میں ہم اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ کچھ سنتے ہی نہیں اور سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے جب ان سے یہ کہتے ہیں کہ جس راستے پر تم جا رہے ہو وہ راستہ تباہی وبربادی کے کنارے لا کھڑا کریگا تو وہ کہتے ہیں "ہم نے اپنے بزرگوں سے ایسی بات کبھی نہیں سنی" اور الٹے کر پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

لیکن آہستہ آہستہ یہ سب کچھ ہمارے ذہنوں سے محو ہو رہا ہے۔ ہمارے معاشی مسائل نے ہمیں اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں کوئی کسی کو نہیں پہچانتا۔ اب روایات کے ان پلندوں میں ہمارے لئے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہم اپنے مسائل حل کرنا چاہتے ہیں اور یہ پلندے ہمارے مسائل کو اُلجھاتے ہیں۔

اب یہ بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی ہے کہ چونکہ پہلے جیسے مسلمان اب ہو نہیں سکتے اسلئے اسلام آ نہیں سکتا۔ یہ مولوی لوگ حکومت چلا نہیں سکتے۔ ان لوگوں کے پھینکے ہوئے پھندے خود ان کی گردن میں آ پڑے ہیں۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات انہی کی بٹھائی ہوئی ہے کہ اللہ والوں کو دنیا سے کام کیا؟ اب وہ کہتے ہیں کہ ان مولوی صاحبان کو دنیا اور حکومت کے کاروبار سے کیا مطلب۔ وہ مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں ٹھنڈا پانی پئیں۔

نئی نسل تو تیزی سے راہیں بدل رہی ہے لیکن اکثریت عقاید کے ہاتھوں مجبور ہے۔ عقاید ذہنوں میں ایسے راسخ ہو چکے ہیں انکا نکلنا مشکل ہے۔ جب وہ کوشش کے باوجود اپنے غلط عقاید پر قائم رہتے ہیں تو ان پر یہ بات صادق آتی ہے۔

"میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں لیکن کمبل مجھے نہیں چھوڑتا"

وہ اپنے مسائل سے مجبور ہو کر اپنے ذہن سے انہیں جھٹکنا چاہتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ انکے پاس عقل ہے وہ سوچ نہیں سکتے۔ ان کے پاس کان ہیں لیکن حق کی آواز کانوں سے نہیں ٹکراتی۔ ان کے پاس زبان ہے لیکن ان کی زبان سے حق کا کلمہ بلند نہیں ہوتا۔ خدا انہی لوگوں کو کہتا ہے۔

"اور کتنے ہی جن اور انسان جنہیں ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا۔ یہ اس لئے کہ ان کے پاس عقل ہے لیکن اس سے سوچ بوجھ کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں لیکن دیکھتے نہیں۔ کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں۔ وہ چوپاؤں کی مانند ہو

ہوگئے بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو یکسر غفلت میں ڈوب گئے۔"
اب ہمیں اپنا انجام نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ "

(۰)

طلوعِ اسلام۔ یہ طبقہ وہ ہے کہ اگر ان کے سامنے قرآن کریم کی صحیح تعلیم لائی جائے تو (اقبال کے الفاظ میں) ان شاہینوں کے زیرِ دام لانے میں زیادہ دقت نہیں ہوگی۔

(۰)

۳۔ مارکس زدہ نوجوان

آجکل ہمارے ہاں فکر پریشاں کا جو جھکڑ چل رہا ہے اس سے اکثر و بیشتر نوجوان اپنے پاؤں سے اکھڑ گئے ہیں لیکن وہ ابھی اس مقام پر نہیں پہنچے جہاں وہ ترکِ اسلام کا اعلان کر دیں ۔۔۔ یا شاید سوسائٹی کے دباؤ سے ان میں اس کی جرأت نہیں) لیکن ان کی ساری کوشش یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح، مارکس کو "مسلمان" اور ماؤزے تنگ کو مومن ثابت کر دیں تاکہ ان کے "اسلام" کے صدقے میں یہ بھی مسلمان کے مسلمان بنے رہیں۔ یہ عمومی جھکڑ ہی کچھ کم نہیں تھا کہ "اسلامی سوشلزم" کی مبہم لیکن نہایت مغالطہ آفریں اصطلاح نے ان دیوانوں کے لیے مہمیز کا کام دیا۔ ہم نے اس اصطلاح کے واضعین سے متعدد بار کہا کہ اس کی ذرا وضاحت فرما دیں کہ یہ بتا دیں کہ "سوشلزم" اور "اسلامی سوشلزم" میں فرق کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس درخواست کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ (غالباً اس مصلحت کے ماتحت کہ "تا مرد سخن نگفتہ باشد، عیب و ہنرش نہفتہ باشد")۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا سوشلزم زدہ نوجوان۔۔۔ یہ سمجھنے لگ گیا ہے کہ جب سوشلزم اسلامی ہو سکتی ہے تو کارل مارکس کیوں مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اقبال نے کارل مارکس کے متعلق کہا تھا کہ

قلب او مومن، دماغش کافر است

اب ایک "نوجوان" اپنے خط میں لکھتا ہے کہ

اقبال اگر اس زمانے میں ہوتے تو یقیناً کارل مارکس کے بارے میں یہ کہتے کہ ۔۔۔

قلب او مومن دماغش مسلم است

یعنی ان نوجوانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ یا تو مارکس اور ماؤزے تنگ کو مسلمان تسلیم کیجئے۔ اور اگر آپ ایسا نہیں کرنا چاہتے تو "سلام علیکم"۔ اور یہ سب اس لئے کہ ہم نے ان نوجوانوں کو بتایا ہی نہیں کہ مسلم کسے کہتے ہیں اور مارکس یا ماؤزے تنگ کیوں مسلمان نہیں کہلا سکتے۔

(۰)

۴۔ ایک متشکک نوجوان

تیسرا خط ایک ایسے نوجوان کا ہے جس نے سرعنوان لکھا ہے ۔۔۔ میں متشکک کیوں ہوں ۔۔۔ خط میں بہت سے سوالات ہیں جو اس کے ذہن میں ابھرتے ہیں اور جن کا تسلی بخش جواب نہ پانے کی وجہ سے وہ موجودہ مقام تک پہنچ گیا ہے۔ خط انگریزی زبان میں ہے جس کے

ساتھ وہ سوالات منسلک ہیں۔ آپ پہلے اس خط کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس عزیز نے لکھا ہے:۔

یہ ہیں میرے خیالات۔ خدا کیا ہے، میں نہیں سمجھ سکتا۔ ہم اس کی بات کیوں مانیں، یہ میرا دوسرا سوال ہے۔ میں ان سوالات کے جواب کے لئے 'مولانا حضرات' کی خدمت میں گیا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ سب کفر ہے۔ تم کافر ہو۔ اس سے مجھے 'ان مولانا حضرات' سے نفرت ہو گئی۔ اس طبقہ نے تو ہمیں انسانیت کے تصور سے بیگانہ بنا دیا ہے۔ وہ چاہتے یہ ہیں کہ ہم ان کی ہر بات اندھوں کی طرح مانتے چلے جائیں۔ لیکن میں کسی بات کو اس طرح ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں تو بلکہ اسے ترجیح دونگا کہ وہ مذہب جو ہمیں انسان سے حیوان بنا دے، اسے دور سے سلام کروں ـــــ اور نہایت فخر کے ساتھ ایسا کروں۔

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ تنہا میرے خیالات نہیں۔ یہ وہ خیالات ہیں جو موجودہ دور کے ہر کالج سٹوڈنٹ کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ کیا یہ نوجوان 'قدامت پرست ملّا' کے مذہب سے مطمئن ہو جائیں گے؟ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا ممکن ہو۔

میں یہ خط آپ[1] کو اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ممکن ہے آپ اس نوجوان نسل کی کچھ مدد کر سکیں۔ اگر آپ اس خط کا اردو ترجمہ اپنے مجلہ میں شائع کر دیں، اور ان سوالات کا جواب مرحمت فرما دیں، تو نوجوان طالب علموں کی یہ نسل اسے بنظرِ تحسین دیکھے گی۔ اس سے آپ نہ صرف میری مدد کریں گے بلکہ ہزار ہا دیگر ایسے نوجوانوں کی بھی جو انہی خطوط پر سوچتے ہیں۔

اس خط کے ساتھ دس سوالات منسلک ہیں۔ ان میں بعض سوال ایسے ہیں جن کے انداز میں بڑی تلخی ہے اور بعض مقامات پر وہ 'تلخی' سوء ادبی کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اس باب میں ہمارا پہلا ردِ عمل یہ تھا کہ ان مقامات کو حذف کر دیا جائے لیکن نظرِ ثانی کے بعد ہم نے مناسب یہی سمجھا ہے کہ انہیں اسی طرح شائع کر دیا جائے۔ اس سے ہمارے حساس قلوب اور جذباتِ احترام و عقیدت کو ٹھیس تو لگے گی لیکن ہمیں معلوم تو ہو جائے گا کہ ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل کے خیالات کیا ہیں۔ وہ کن خطوط پر سوچتی ہے اور کس مقام پر پہنچ چکی ہے[2]۔ اس نسل کو ہم آج تو اتنی اہمیت نہیں دیتے اور یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ لیکن ہم اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ ابھی تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسی نسل کو پاکستان کی قوم بن جانا ہے۔ آپ سوچئے کہ یہ جو قوم، اور نظام جمہوری، تو یہ قوم اپنے فیصلوں سے (انقلابی طور پر نہ سہی، آرام سے آئینی طور پر) اس مملکت کو کیا سے کیا نہیں بنا دیگی؟ یہ ہے اس نسل کی اہمیت۔ ہمارا مستقبل اس نسل کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہی ہے اس نسل کی وہ اہمیت جس کے پیشِ نظر ہم اس کے اس ترجمان کے یہ سوالات بعینہٖ شائع کرنے کی اجازت چاہتے ہیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی کشتی کے یہ کھیون ہار کس سمت کو جا رہے ہیں۔

یہ ہیں وہ سوالات جن کے ساتھ اس عزیز نے جگہ جگہ قرآنی آیات کے حوالے بھی دیئے ہیں[3]۔

(۱) خدا ہر شے کا خالق ہے۔ (دیکھو ۴۸ : ۵۰ ؛ ۸ : ۱۶ ؛ ۱۶ : ۱۳) خالق کے بغیر کوئی شے وجود میں نہیں آ سکتی۔ ہر موجود شے کے لئے کسی خالق کا ہونا لاینفک شرط ہے۔ تو (تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر) خدا کا خالق کون ہے۔ اگر کسی اس نے پیدا کیا تو اسے بھی تو کسی نے پیدا کیا ہوگا۔ وہ کسی خالق کے بغیر وجود میں کیسے آ گیا۔ جب کائنات وجود میں نہیں آئی تھی تو خدا کیا کرتا

---

[1] یہ خط پرویز صاحب کے نام ہے۔

[2] ایسے مقامات پر ہم نے ترجمہ میں (قوسین میں) معاذ اللہ وغیرہ الفاظ لکھ دیئے ہیں۔

[3] آیاتِ قرآنی کے حوالے خط میں مذکور ہیں۔ ہم نے انہیں چیک نہیں کیا۔ (طلوعِ اسلام)

تھا - وہ کہاں تھا - وہ اب کہاں ہے ؟

(۲) شر (EVIL) کا خالق کون ہے - خدا ہر شے کا فاطر (ORIGINATOR) ہے - (۲ : ۱۱۷) - اس سے ظاہر ہے کہ شر کا خالق بھی خدا ہی ہے - کیا شر بھی خدا کی ذات کی ایک صفت ہے ؟ اگر وہ شر کا خالق ہے تو وہ خدا نہیں ہو سکتا - اگر شر اس کی صفت ہے تو بھی وہ خدا نہیں ہو سکتا ؛ کیونکہ خدا شر نہیں ہو سکتا - لیکن وہ تو قادرِ مطلق ہے (۸۵ : ۴) اس بنا پر سب کے تمام غلط اعمال بھی (جنہیں شر کہا جائے گا) خدا ہی کے کنٹرول میں ہوتے ہیں - اس سے واضح ہے کہ غلط اعمال (شر کے ارتکاب) میں خود خدا کی امداد شامل ہوتی ہے ' اور جو شر کے ارتکاب میں مدد کرتا ہے ' وہ خدا نہیں ہو سکتا - اور جب صورتِ حال یہ ہے تو وہ ہمیں ان اعمال کی سزا کیسے دے سکتا ہے جو خود اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں -

(۳) ابتدائے آفرینش میں خدا نے (معاذ اللہ) بڑی مضحکہ خیز[1] حرکتیں کی ہیں - کبھی اس نے آدم کا پُتلا مٹی سے بنایا اور کبھی اس کی پسلی سے حوا کو نکالا - اب اس نے اس قسم کی افسانوی حرکات کیوں چھوڑ دی ہیں - کیا اسے اب ایسا کرنے کی قدرت نہیں رہی ؟ یا وہ (معاذ اللہ) ایسی شعبدہ[2] بازیاں بھول گیا ہے - (بلکہ میں تو یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ) خدا اب تک زندہ بھی ہے یا (معاذ اللہ) مر چکا ہے ؟

(۴) خدا تمام اشیاء کی لامحدود علت (CAUSE) ہے - (۶ : ۱۰۱) ہر شے اس کے سامنے سجدہ ریز ہے (۱۳ : ۱۵ ; ۱۶ : ۴۹)

لیکن کیا یہ اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ ایسا وزنی پتھر پیدا کر دے جسے وہ خود بھی اٹھا نہ سکے - اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو وہ خدا نہیں ہو سکتا - کیونکہ پتھر کو تو اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے - خدا کو ایسا کمزور تو نہیں ہونا چاہیئے کہ جس شے کو وہ پیدا کرے اسے اٹھا بھی نہ سکے اور اگر وہ اس قسم کا پتھر پیدا نہیں کر سکتا تو وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کے لئے قادرِ مطلق (اختیارِ کلّی کا مالک) ہونا ضروری ہے - (۸۵ : ۴ ; ۲ : ۱۱۷)

(۵) اس ایٹمی دور میں جہاں ہر شے وقت کے پیمانوں سے ماپی جاتی ہے ' ہم اٹھنے بیٹھنے اور کچھ عجیب و غریب[3] الفاظ دہرانے میں اپنا وقت کیوں ضائع کریں - ان نمازوں نے ہماری ترقی کا راستہ روک رکھا ہے - حتّٰی کہ جنگ کے زمانے میں بھی ہماری کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بجائے اسکے کہ ہم اس نازک مرحلہ کے مقابلہ کرنے کی تیاری کریں ' ہم مسجدوں کی طرف دوڑتے ہیں کہ نمازیں پڑھیں اور خدا کے حضور گڑ گڑائیں اور اس بات کا انتظار کریں کہ خدا آسمانوں سے اتر کر ہماری مدد کریگا - یہ جمعہ کے اجتماعات کیا ہیں ؟ ___ جواریوں ' چوروں ' اور گرہ کٹوں کے لئے روزِ عید ! اور اس اجتماع میں مولوی صاحب کے خطبہ کا فائدہ کیا ہے ___ وہ خطبہ جس کے کچھ الفاظ بول کر سنائے جاتے ہیں اور کچھ گا کر ___ اور جن کا مطلب (سامعین تو ایک طرف) وہ خود بھی نہیں سمجھتا - ان بے رنگ و بے کیف[4] کولھو کے بیل جیسا اجتماعات نے ہماری ترقیاں چھین لی ہیں - کیا ہم سائنسی حقائق کی موجودگی میں ان توہماتی کہانیوں پر ایمان لے آئیں جنہیں مولوی ہمارے کان میں ڈالتا رہتا ہے ؟ (کوئی بتائے کہ ہم اس قدر جاہل مولویوں کی اقتدا کیوں کریں ؟ وہ ہمیں خدا کی بادشاہت کے بجائے ' جہالت کی ظلمت کی اقلیم کی طرف دھکیلتے ہیں !

(۶) کیا قرآن کی تعلیمات بالکل واضح ہیں ؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر قرآن کی یہ اس قدر متضاد اور باہمدگر متخالف تعبیرات کیوں ہیں ؟ اگر قرآن میں کوئی اختلافی بات نہیں تو پھر ہر فرقہ اپنے اپنے عقائد کے حق میں قرآن سے دلائل کس طرح لاتا ہے - یہ دعویٰ اکثر کیا جاتا ہے ' اور اسے فخر کے ساتھ دہرایا جاتا ہے کہ قرآن کی مثل کوئی کتاب نہیں لائی جا سکتی - (۱۷ : ۸۸ ; ۲ : ۲۳) لیکن شکسپیئر اور اسی پایہ کے دیگر شعراء کا کلام بھی تو بے مثل و بے نظیر ہے - ان کے متعلق کیا کہا جائیگا ؟ اس کے بعد اس دعویٰ کا کیا ثبوت ہے کہ

---

[1] (FUNNY THINGS) - [2] (TRICKS) - [3] (MYSTERIOUS) - [4] (MUNOTONOUS)

قرآن خدا کی کتاب ہے (حضرت) محمدؐ کی تصنیف نہیں؟ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ قرآن وحی پر مبنی ہے (حضور نبی اکرمؐ کے) ذاتی وجدان[1] کا نتیجہ نہیں۔ کیا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ وحی کا فی الواقعہ کوئی وجود ہے؟

(۷) انبیاء کرامؑ کے ساتھ بہت سے معجزات منسوب کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کی (معاذ اللہ) شعبدہ بازیاں[2] تو جادوگر بھی دکھا سکتے ہیں۔ کیا یہ نام نہاد معجزات انسان کی روحانی ترقی میں کچھ مدد دے سکتے ہیں؟ کیا یہ انسان کی اپنی مضمر قوتوں کی نشوونما کا نتیجہ نہیں؟ ان قوتوں کی نشوونما میں ہندوؤں اور بدھوں نے کافی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ وہ بھی بہت سے محیر العقول معجزے دکھا سکتے ہیں۔ ہم ایسا کیوں نہیں کہہ سکتے کہ (معاذ اللہ، معاذ اللہ) ان نام نہاد انبیاء نے اپنی مضمر قوتوں کو نشوونما دے کر لوگوں کو فریب دیا (استغفر اللہ) اور پھر اپنے رسول ہونے کا دعوے کر دیا۔ کس کے رسول؟

(۸) حیات بعد الممات کے عقیدہ پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ (۲۹ : ۲۵ ؛ ۱۴-۱۲ : ۱۷ ؛ ۱۸-۴-۳ : ۵۰ ؛ ۸۳ ؛ ۱۲-۱۰ : ۸۱) یہ حیاتِ آخرت کیا ہے؟ اور پھر اس کے بعد کیا ہے؟ کیا ہم جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے جہاں ہمیں ہر شے از خود میسر ہوگی؟ اگر یہ سچ ہے تو جنت، ہماری مضمر قوتوں اور ارتقائی صلاحیتوں کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ (اس صورت میں) اُس جنت کے انسان اور اس دنیا کے حیوان میں فرق کیا رہ جاتا ہے؟ اگر انسان اُس میں کوئی قابلِ قدر اضافہ[3] نہیں کرتا تو اُس خوبصورت باغ میں اس کی حیثیت ایک ربڑ کی گڑیا سے زیادہ کیا ہوگی۔ اور اگر ہم اس کے بعد بھی زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرتے جائیں گے تو اس سفر کی آخری منزل کیا ہوگی۔ اس ترقی کا منتہیٰ کیا ہوگا؟ اور اس آخری منزل پر پہنچنے کے بعد کیا ہوگا۔

(۹) مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ایک ناتراش داڑھی، منڈھی ہوئی مونچھیں، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ۔ آستینیں بس کہنیوں سے نیچے تک۔ سر پر عجیب و غریب سی (مضحکہ انگیز[4]) ٹوپی۔ دنیا سے قطعاً بے خبر (جاہلِ مطلق)۔ چند ایسے الفاظ کو دہرانے رہنے والا جن کا وہ مطلب تک نہیں سمجھتا۔ المختصر، کیا شکل و شباہت اور کیا فکر و خیال، ہر دو اعتبار سے ایک کارٹون۔ اس کے باوجود وہ چاہتا یہ ہے کہ وہ دنیا میں عزت و تکریم کی زندگی بسر کرے۔ ہم ایسے مذہب سے کیوں نہ دستبردار ہو جائیں جو ہمیں دنیا میں کارٹون اور جوکر بنا کر رکھ دیتا ہے۔

(۱۰) جب ہم کسی مذہب کو اختیار کر لیتے ہیں تو ہم اس کے قواعد و ضوابط کی پابندی پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس سے ہم اپنی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے آزاد نہیں رہتے۔ گناہ، خوف اور جہنم کا بھوت ہر وقت ہمارے سر پر سوار رہتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسی نفسیاتی کیفیت کے ساتھ ہم کوئی قابلِ ذکر ترقی کر سکیں۔ اگر مذہب افیون نہیں تو کم از کم ہماری طبیعی اور ذہنی نشوونما کے لئے قید خانہ ضرور ہے۔ مذہب ایک بے فائدہ جنا شک بن کر رہ گیا ہے۔ مذہب کا خدا عقل و فکر کا دشمن ہے۔ اگر ہم نے زمانے کے ساتھ ترقی کرنی ہے تو وقت ہے کہ ہم خدا کو (معاذ اللہ) مار دیں۔ (درحقیقت تو یہ ہے کہ وہ پہلے ہی مر چکا ہے۔ اب اسے کوئی گہرا گڑھا کھود کر اس طرح دبا دیجئے کہ وہ ہمارے خیالوں کی دنیا تک میں نہ آسکے۔ نجات کا یہی ایک طریق ہے۔ خدا مر چکا ہے اسے دفن کر دیجئے۔

(۰)

طلوعِ اسلام

اس نوجوان کے خیالات آپ نے ملاحظہ فرما لئے۔ اس نے درست کہا ہے کہ یہ تنہا اس کے خیالات نہیں۔ موجودہ نسل کے نوجوانوں کا ایک کثیر طبقہ انہی خطوط پر سوچتا ہے اور اُس کے ذہن میں اسی قسم کے سوالات ابھرتے ہیں۔ ان سوالات میں

---

[1] (INTUITION) - [2] (TRICKS) - [3] (CONTRIBUTION) - [4] (FUNNY)

جہاں تک خدا، مسئلہ جبر و قدر، وحی، معجزات، حیات بعد الممات وغیرہ کا تعلق ہے، وہ فلسفہ کی اس نیم پختہ تعلیم کے پیدا کردہ ہیں جو ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے۔ اس سے پہلے جو مسلمان اساتذہ فلسفہ پڑھاتے تھے، وہ بالعموم ایسے اعتراضات کا جواب ساتھ کے ساتھ دیتے جاتے تھے۔ لیکن اب خود فلسفہ کے اساتذہ اسی قسم کے ریب و تشکیک کی وادیوں میں سرگرداں نظر آتے ہیں، وہ اپنے طلباء کے شکوک کا ازالہ کیا کریں گے؟ باقی رہی "اسلامیات"، تو اس کے نصاب کو تو چھوڑیئے، کیا آپ کو اس کے پروفیسروں میں بھی کوئی ایسا نظر آتا ہے جو ان اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دینا تو ایک طرف، ان کی لم کو بھی سمجھ سکے؟ یہ ہے ہمارا وہ نظامِ تعلیم جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں اس قسم کے شکوک و شبہات سے مملو ذہن تیار کر کے معاشرہ میں بھیجتا چلا جا رہا ہے۔۔ اور یہ عمل برسہا برس سے جاری ہے۔ اس کے ازالہ کی آپ کے ہاں کیا تدبیر ہے؟ یہ کہ آئینِ پاکستان میں یہ شق رکھ دی جائے کہ یہ مملکت اسلامی ہے اور اس میں کوئی قانون، کتاب و سنت کے خلاف نافذ نہیں ہوگا۔ سوچئے کہ کیا اس مقدس تعویذ سے یہ حق ذہنوں سے نکل جائیں گے؟ اور پھر اس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھئے کہ آپ کے "آئین" اور اس کے تابع وضع کردہ قوانین کو نافذ العمل انہی نوجوانوں نے کرنا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھیئے تو کچھ عرصہ بعد آپ کی مملکت کا آئین بھی انہی نوجوانوں نے مرتب اور اس کے لئے قوانین بھی انہی نے وضع کرنے ہیں۔ یہی نوجوان کل کی ملّتِ پاکستانیہ کہلائے گی۔

جہاں تک اُن سوالات کا تعلق ہے جن میں مذہب اور مذہب پرست طبقہ (مولانا حضرات) پر تنقید کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ دار ہماری مذہبی پیشوائیت ہے جس نے اسلام جیسے روشن اور تابناک دین (نظامِ حیات) کو توہم پرستیوں اور افسانہ طرازیوں کا ملغوبہ اور بے معنی رسوم و قیود کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر اسلام اسی مذہب کا نام رہا، تو یہ پوری کی پوری نئی پود کو دہریہ بنا کر چھوڑے گا۔

اب رہا ان سوالات کا حل، سو اس کا یہ طریق نہیں کہ طلوعِ اسلام (یا کسی اور مجلّہ) میں ان کے جوابات شائع کر دیئے جائیں۔ یہ حساب (ریاضی) کے سوالات نہیں جنہیں مقررہ قاعدوں کے مطابق حل کر دینے سے جواب سامنے آجاتا ہے۔ ان شکوک کو رفع کرنے کے لئے بات بہت پیچھے سے شروع کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے صحیح طریق درس و تدریس کا ہے۔ یعنی ایک بنیادی بات سمجھائی جائے اور اس ضمن میں طالب علم کے ذہن میں جس قدر سوالات ابھریں، ان کا ساتھ کے ساتھ جواب دیا جائے۔ اور اس طرح ان کے دامن کو ایک ایک کانٹے سے چھڑا کر آہستہ آہستہ آگے بڑھا جائے۔ اس طرح یہ نوجوان اِن خاردار جھاڑیوں سے آگے نکل سکتے ہیں۔

پرویز صاحب نے قوم کے انہی نوجوانوں کو اپنی توجہات کا اوّلین مرکز قرار دے رکھا ہے۔ ان کی زندگی کا مشن ہی یہی ہے۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے ایک خصوصی درسگاہ (کالج) کی اسکیم اپنے اور قوم کے سامنے رکھی ہے۔ وہ چاہتے یہ ہیں کہ وہ اس قسم کے طالب علموں کو لیکر بیٹھ جائیں اور ان کے قلب و دماغ کی تربیت اس انداز سے کریں کہ نہ صرف یہ کہ اس قسم کے شکوک و شبہات کی طرف سے خود انہیں علیٰ وجہ البصیرت اطمینان حاصل ہو جائے بلکہ وہ اس قابل بھی ہو جائیں کہ دوسروں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا بھی ازالہ کر سکیں۔ (بحمد للہ کہ یہ اسکیم اب کامیابی کی طرف جلدی جلدی قدم اٹھا رہی ہے) لیکن اس دوران میں بھی اس قسم کے نوجوان پرویز صاحب کے پاس آتے رہتے ہیں اور وہ اس شفقت اور محبت اور دلائل و براہین کے ساتھ ان کے شکوک کا ازالہ کرتے ہیں کہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ آتے ہیں تو ہجومِ شکوک و شبہات اور اعتراضات و تشنجات لیکر جاتے ہیں تو یکسر سکون و طمانیت۔ بے شمار نوجوان ہیں جو ان کے اس طریق سے الحاد و دہریت کے خارزاروں سے نکل کر بہارستانِ قرآن کے گرویدہ ہو چکے ہیں۔ ان نوجوانوں کے اس قسم کے اعتراضات سے نہ تو پرویز صاحب کی تیوری پر بل پڑتے ہیں، نہ منہ سے جھاگ

نکلتی ہے۔ نہ وہ انہیں ملحد و بیدین کہہ کر دھتکارتے ہیں، نہ ان پر کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اس انداز فکر کے ذمہ دار یہ عزیزانِ ملت نہیں۔ اس کی ذمہ دار وہ تعلیم ہے جو ہم انہیں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ انہیں اس قسم کا خود ہم نے بنایا ہے۔ اس لئے اگر ایسا ہونا جرم ہے تو اس جرم کے مرتکب ہم ہیں اور اس کی سزا بھی ہمیں ملنی چاہیئے نہ کہ ان پیکرانِ گِل کو جنہیں ہم نے اس قسم کے قالبوں میں ڈھال دیا۔

ہم اپنے ان عزیزوں کو بھی، جن کا تذکرہ ان صفحات میں آگیا ہے، یہی مشورہ دینگے کہ وہ متلاشیانِ حقیقت کیطرح طالبعلمانہ انداز لئے ہوئے یہاں آئیں۔ ہمیں امید ہے کہ انہیں وہ ذہنی اطمینان اور قلبی سکون حاصل ہو جائیگا جو حقائق کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھ لینے کا فطری نتیجہ ہوتا ہے۔

بیا بمجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش
کہ گرچہ سر نہ تراشد قلندری داند

نقد و نظر

نظریۂ پاکستان۔ (ہفت روزہ)

"نظریۂ پاکستان" پاکستان میں معمہ بنکر رہ گیا ہے۔ اس کی اہمیت کا یہ عالم کہ یہ اس عظیم مملکت کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی شہرت کی کیفیت یہ ہے کہ ملک میں شاید ہی کوئی دوسری اصطلاح اس تکرار و اصرار سے دہرائی جاتی ہو۔ اور اس کی طرفہ ماجرائی کی یہ صورت کہ آج تک اس کا کوئی ایک مفہوم ہی متعین نہیں ہو سکا۔ اس جہت سے یہ بھی "اسلام" سے کم مظلوم نہیں۔ لیکن ان تلخ حقیقتوں کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ جب تک اس نظریہ کا صحیح مفہوم قوم، بالخصوص ہماری نئی نسل کے سامنے نہیں آتا، نہ وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے جس کے لئے اس خطۂ زمین کو حاصل کیا گیا تھا اور نہ ہی اس کی مملکت کی سالمیت اور بقا کیطرف سے اطمینان ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے جو قدم بھی صحیح سمت کو اٹھیگا، در خورِ تحسین ہوگا۔ (لائلپور کے) چوہدری حبیب احمد صاحب ان "دیوانوں" میں سے ہیں جو اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کا تازہ ترین اقدام ہفت روزہ "نظریۂ پاکستان" کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس کے چند ایک شمارے شائع ہوئے ہیں۔ یہ ہفت روزہ دیدہ زیب نستعلیق میں سفید کاغذ پر چھپا ہوا دو ورقوں پر مشتمل جریدہ ہے جو بازار مصر میں روایتی بڑھیا کی اٹی کی یاد دلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی کوششوں کو منطقی پیمانوں سے نہیں ماپا جاتا، للّٰن کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم حبیب صاحب کی ہمت کی داد دیتے ہوئے آرزومند ہیں کہ ان کی یہ کوشش خوشگوار برگ و بار کی حامل ہو۔ جریدہ کا سالانہ چندہ -/۱۲ روپے اور ایک پرچہ کی قیمت (مغربی پاکستان میں) تیس پیسے ہے۔

پتہ:- ہفت روزہ "نظریۂ پاکستان"۔ منڈی گلی۔ لائلپور

دُنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات (۲)

طلوعِ اسلام بابت اگست ۱۹۷۱ء میں ہم نے "عنوانِ بالا کے تحت" اُس سبعیت و بربریت، اس وحشت و درندگی، اس سفاکی و قصابی، اس قتل و غارت گری اور عصمت دری کی کچھ تفاصیل پیش کی تھیں جو گذشتہ مارچ اپریل کے آشوب محشر میں مشرقی پاکستان میں ننگِ انسانیت، غدار ازلی، جعفرِ ایں زماں مجیب الرحمٰن اور اس کے خونخوار بھیڑیوں کے ہاتھوں، وہاں کے مظلوم و مقہور، بے کس و بے بس، ضعیف و ناتواں نہتے باشندوں ۔۔ مردوں، عورتوں، بچوں پر اس جرم کی بنا پر روا رکھے گئے کہ وہ غیر بنگالی کیوں ہیں یا مجیب کی مملکت سوز بغاوت اور غداری کی سازش کے ہمنوا کیوں نہیں۔ ان تفاصیل کے ذرائع غیر سرکاری تھے۔ اب (شروع اگست میں) خود حکومتِ پاکستان کیطرف سے ایک قرطاس ابیض (وائٹ پیپر) شائع ہوا ہے جس میں علاوہ دیگر امور' ان تباہ کاریوں اور ہلاکت سامانیوں، ان خون آشامیوں اور آبرو ریزیوں کی کچھ تفصیلات دی گئی ہیں جو ان باغیوں کیطرف وہاں ظہور میں آئیں۔ چونکہ یہ تفاصیل زیادہ مستند ہیں اسلئے ہم نے مناسب سمجھا کہ انہیں بھی قارئین کے سامنے لایا اور طلوعِ اسلام کے صفحات میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ ہماری آنیوالی نسلوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ جب ملک میں لاقانونیت پھیلتی ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے' اور جب غدار کو ڈھیل دیجائے وہ کس قسم کی تباہی مچاتا ہے۔

وائٹ پیپر انگریزی زبان میں شائع ہوا ہے اور اس کا اردو ترجمہ جریدہ "پاک جمہوریت" نے اپنی ایک خصوصی اشاعت میں' حکومت کی اجازت سے' شائع کیا ہے۔ یہ اقتباسات اسی سے لئے گئے ہیں۔

قرطاس ابیض میں اس بغاوت کا پس منظر دکھانے کے بعد کہا گیا ہے :-

وہ اس مسلح بغاوت کے لئے جمعہ کو صبح سویرے کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔

مارچ کی ۲۵ اور ۲۶ مارچ کی درمیانی شب کو یعنی جس وقت مسلح بغاوت اور بنگلہ دیش کی آزاد جمہوریہ کے قیام کے عوامی لیگی منصوبے پر عمل شروع ہونے والا تھا، اس سے چند گھنٹے پہلے صدر نے پاکستان کی مسلح افواج کو حکم دیا کہ وہ اپنا فرض ادا کریں اور حکومت کا اقتدار اعلیٰ پورے طور پر بحال کریں؛ چنانچہ فوج نے کارروائی میں پہل کی اور عوامی لیگ کے مسلح بغاوت کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا جو اس نے ہندوستان کے مسلح مداخلت کاروں' ایسٹ بنگال رجمنٹ، ایسٹ پاکستان رائفلز، ایسٹ پاکستان پولیس کے باغی عناصر اور نیم فوجی تنظیموں کے ذریعہ بزورِ طاقت مشرقی پاکستان پر قبضہ جمانے کے لئے تیار کیا تھا۔

پاکستانی فوج کے دستوں نے جو بیشتر ہندوستان سے ملنے والی سرحدوں پر تعینات تھے' بغاوت کو کچلنے اور ہندوستانی مداخلت کاروں کو نکالنے کے لئے اگلے چند ہفتوں کے دوران کارروائی کی۔ اس عرصے میں جن علاقوں پر باغیوں اور ہندوستانی مداخلت کاروں کا عارضی طور پر کنٹرول ہو گیا تھا وہاں عوامی لیگ کی دہشت گردی کے دور میں جو یکم مارچ سے شروع ہوا تھا' ایک لاکھ سے زیادہ مرد' عورتیں اور بچے ہلاک کئے جا

بیچکے تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری اور نجی عمارتوں ٹرانسپورٹ اور ذرائع مواصلات اور صنعتی اداروں وغیرہ کو بے انتہا نقصان پہنچا۔

عوامی لیگ کے کارکنوں اور ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز کے باغیوں کے ہاتھوں قتل و غارت گری نے قتلِ عام کی صورت اختیار کرلی۔ ان کا نشانہ وہ لوگ بنے جو عوامی لیگ کے علیحدگی پسندوں کے منصوبوں سے اتفاق کرنے پر تیار نہیں تھے۔ ان پر ایسے مظالم ڈھائے گئے جو بیان سے باہر ہیں۔

بوگرہ ضلع میں سانتاہار کے ایک علاقے میں پندرہ ہزار آدمیوں کو گھیرے میں لیکر منظم طریقے سے قتل کیا گیا۔ عورتوں کو ننگا کرکے سڑکوں پر گھمایا گیا اور بے کس ماؤں کو اپنے ہی بچوں کا خون پینے پر مجبور کیا گیا۔ چاٹگام میں دس ہزار افراد کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ ان میں سے ایک چھوٹے سے محلے کی ڈھائی سو عورتیں اور بچے شامل تھے جنہیں سنگینیں بھونک کر ہلاک کر دیا گیا۔

پٹنہ کے قریب سراج گنج میں ساڑھے تین سو عورتوں اور بچوں کو ایک ہال میں بند کرکے آگ لگا دی گئی اور وہ سب کے سب جل بھن کر مر گئے۔ میمن سنگھ میں سانکوپارہ کے علاقے میں دو ہزار خاندانوں کی پوری آبادی کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ وہاں کے مردوں کو گھروں سے باہر لے جاکر گولی مار دی گئی اور عورتوں کو آبرو ریزی کرنے کے بعد انہیں اپنی قبریں آپ ہی کھودنے پر مجبور کیا گیا اور بلشیر کو ہلاک کر دیا گیا۔

ان میں سے بعض مظالم کی خبریں غیر ملکی اخبارات میں بھی شائع ہوئیں جن کے اقتباسات نیچے دیئے جاتے ہیں۔

• لاکھوں غیر بنگالی مسلمانوں نے جو اس وقت مشرقی پاکستان میں پھنسے ہوئے ہیں ہمیشہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کشیدگی سے پیدا ہونے والے خطرے کو محسوس کیا ہے اور اب اس بات کا اندیشہ ہے کہ بنگالیوں نے اس بہاری اقلیت سے انتقام لینے کی ٹھان لی ہے۔"

(اسٹیٹسمین - نئی دہلی - ۴ر اپریل ۱۹۷۱ء)

" معلوم ہوا ہے کہ پچھلے ہفتے کے دوران پورے پاکستان میں مشتعل بنگالیوں نے ان ہزاروں بہاری مسلم مہاجرین کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جو تقسیم کے وقت بنگال میں آکر آباد ہوگئے تھے۔

" قتل کے واقعات کی تصدیق ان بہاری مسلم مہاجرین نے کی جو اس ہفتے سرحد پار کرکے ہندوستان پہنچے ہیں۔ ایک نوجوان برطانوی کاریگر نے بھی اس کی تصدیق کی جو ہندوستان اور پاکستان کی سرحد پار کرکے آج بمبئی پہنچا۔" (ٹائمز لندن۔ ۶ر اپریل ۱۹۷۱ء)

"کل کلکتہ میں لنگر انداز ہونے والے ایک برطانوی جہاز کے مسافروں نے بتایا کہ مشرقی پاکستان کی بندرگاہ چاٹگام میں بڑے پیمانے پر قتل، آتش زنی اور لوٹ مار کی وارداتیں ہوئی ہیں۔"

• امریکہ کے ایک امدادی منصوبے کے ایک انجینئر لیون لسٹن نے بتایا کہ پچھلے ہفتے فوج کی آمد سے پہلے پندرہ دن تک چاٹگام کی بنگالی اکثریت وہاں کے مغربی پاکستان کے لوگوں کو قتل کرتی رہی۔ (نادرن ایکو ڈارلنگٹن - ۷ر اپریل ۱۹۷۱ء)

" ایسٹ پاکستان رائفلز نے جب بغاوت کی تو اسکا پہلا عمل یہ تھا کہ اپنی ہی فوج کے غیر بنگالیوں کا صفایا کر دیا جائے۔"

" ایسٹ پاکستان رائفلز کے دس سے پندرہ ہزار آدمیوں میں سے ۸۰ فیصدی مغربی پاکستانی تھے جن میں سے بیشتر افسر تھے۔

ایسٹ پاکستان رائفلز کے آدمیوں نے ایک رات ایک گاڑی بھر کر لاشیں ہندوستان کے سرحدی شہر ہری داس پور کے قریب ایک مقام پر ٹھکانے لگا دیں۔" (فار ایسٹرن اکنامک ریویو ہانگ کانگ - ۲۴ر اپریل ۱۹۷۱ء - ٹی۔ آئی۔ ایس جارج)

" سینکڑوں چشم دید گواہوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ محسوس ہوا کہ عوامی لیگ برسرِ اقتدار آنا چاہتی ہے تو بعض مقامات پر بنگالیوں نے بہاریوں کے مکانوں کو لوٹ لیا اور آگ لگا دی اور ان میں رہنے والوں کو تہ تیغ کر دیا۔"

(نیویارک ٹائمز، نیویارک - ۱۰ر مئی ۱۹۷۱ء۔ میلکوم ڈبلیو۔ براؤن)

"ایک مقامی بینک کے یورپی مینیجر نے بتایا۔ یہاں رہنے والے ہر یورپی باشندے کی یہ خوش قسمتی تھی کہ فوج ٹھیک وقت پر پہنچ گئی ورنہ میں یہ داستان سنانے کے لئے زندہ نہیں بچتا۔"
(نیویارک ٹائمز۔ نیویارک۔ ۱۱ مئی ۱۹۷۱ء - میلکوم براؤن)

"اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ بلوائیوں نے غیر بنگالیوں کو جن میں سے بیشتر وہ تارکینِ وطن تھے جنہوں نے ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے وہاں پناہ لی تھی۔ اپنے حملے کا نشانہ بنایا۔ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ان کے مکانوں کو آگ لگا دی گئی۔"
"چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے ڈیڑھ ہزار بیواؤں اور یتیموں کو بھاگ کر تین سنگھ کی ایک مسجد میں پناہ لیتے دیکھا کیونکہ مسلح آدمیوں نے جو علیحدگی پسند بتائے جاتے تھے، ان کے شوہروں اور باپوں کو قتل کر دیا تھا۔ (سیلون ڈیلی نیوز کولمبو۔ ۵ مئی ۱۹۷۱ء۔ مارس کوانٹش)

"کل اس اہم بندرگاہ کا دورہ کرنے والے اخباری نمائندوں نے بتایا کہ گولہ باری اور فائرنگ سے بھاری نقصان پہنچا ہے اور باغیوں نے شہریوں کا قتل عام کیا۔

"پٹ سن کے ایک کارخانے میں جو بااثر اصفہانی خاندان کی ملکیت تھا، اخباری نمائندوں نے ۱۵۲ غیر بنگالی عورتوں اور بچوں کی اجتماعی قبریں دیکھیں جن میں انہیں مار کر ڈال دیا گیا تھا۔ بتایا گیا کہ باغیوں نے انہیں چھپے چھپے اس کارخانے کے کلب میں گولی مار دی تھی۔

"خون آلود کپڑے اور کھلونے اب بھی کلب کے فرش پر پڑے تھے اور کلب کی دیواروں پر گولیوں کے نشانات تھے۔ ذمہ دار ذرائع نے بتایا کہ ۲۵ مارچ کو مغربی پاکستان سے آزادی حاصل کرنے کے لئے مشرقی پاکستان کی بغاوت شروع ہونے کے بعد ۱۱ اپریل تک جب فوج نے شہر پر دوبارہ قبضہ کیا چاٹگام میں ہزاروں مغربی پاکستانی اور ہندوستانی مہاجرین (وہ مسلمان جو ۱۹۴۷ء کے بعد سے پورلو پاکستان میں آباد ہو گئے تھے) موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

"وہاں کے باشندوں نے ایک جلی ہوئی رہائشی عمارت دکھائی۔ جہاں بنگالیوں نے مغربی پاکستان کے ساڑھے تین سو پٹھانوں کو جلا کر مار ڈالا تھا۔"
(واشنگٹن پوسٹ واشنگٹن - ۲۲ مئی ۱۹۷۱ء - ایسوسی ایٹڈ پریس خبریں)

"چاٹگام کے شہر میں پٹ سن کے ایک کارخانے کے کلب میں کپڑوں اور غلاظت کے ڈھیر میں خون میں لتھڑی ہوئی ایک گڑیا پڑی تھی جہاں بنگالیوں نے ایک سو اسّی عورتوں اور بچوں کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔

"بنگالیوں نے بعض مغربی پاکستانیوں کو علاقائی تعصب کے جوش میں آ کر ہلاک کیا۔"

"بنگالی شہریوں اور باغی فوج کے لوگوں نے ہندوستان کے صوبے بہار سے آئے ہوئے مہاجرین کا بڑے پیمانے پر قتل عام شروع کر دیا۔ وہ بازاروں اور آبادیوں میں دندناتے پھرتے تھے۔ کسی کے چھرا گھونپ دیتے کسی کو گولی مارتے اور کہیں آگ لگاتے پھرتے تھے۔ کبھی وہ کسی عورت کی آبرو ریزی کرتے اور لوٹ مار پر بھی اتر آتے۔"

یہ قتل و غارت گری اور وحشیانہ مظالم، یکم مارچ سے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے دوران وقوع پذیر ہوئے، جب مجیب کے ساتھ گفتگو سے مصالحت جاری تھی۔ اس کے بعد جو مظالم ظہور میں آئے ان کی تفصیل "قرطاس ابیض" کے ساتھ منسلک ایک ضمیمہ میں دی گئی ہے۔ انہیں بھی آپ ایک نظر دیکھ لیں۔ (اگر دیکھنے کی ہمت ہے تو)۔

مظالم کی فہرست

(جو ۲۵ مارچ کے بعد وقوع پذیر ہوئے)

(فہرست کا پہلا حصہ)

ضلع	تاریخ اور علاقہ	واقعات
ضلع چاٹگانگ	۳ سے ۳۰ مارچ ۱۹۷۱ء شہر چاٹگانگ	شہر ایسٹ بنگال رجمنٹ کے باغیوں کے کنٹرول میں رہا جن کے ساتھ عوامی لیگ کے رضاکار بھی شامل تھے۔ ان افراد نے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا تھا اور بستیوں کی بستیوں کو آگ لگائی جا رہی تھی۔ انسانوں کو قتل کرنے کے لئے ذبح خانے بنائے گئے تھے۔ ان میں ایک عوامی لیگ کے چاٹگانگ کا دفتر تھا جہاں مرد و زن اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ بہت سے ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے جہاں سرنج کے ذریعے انسانوں کے جسم سے خون نچوڑ لیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد جسم کے ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ یہاں اس عرصے میں دس سے لیکر ۱۲ ہزار افراد قتل کر دیئے گئے۔
چاٹگانگ	۲ مارچ ۱۹۷۱ء عثمانیہ گلاس ورکس	مغربی پاکستان کے رہنے والے ملازموں کو اذیت دیکر ہلاک کیا گیا۔ اس میں ۱۷ جانیں تلف ہوئیں۔
چاٹگانگ	۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء امین جوٹ ملز بیبر ہاٹ	اسکے مینیجر پارٹنر اور مینیجر کو اغوا کر لیا گیا۔ غالباً انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہاں کے چند ملازمین لاپتہ ہیں، جنکے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ انہیں بطور یرغمال رکھا گیا ہے۔ مرنے اور زخمی ہونیوالوں کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔
چاٹگانگ	۱۰ اپریل ۱۹۷۱ء اصفہانی جوٹ ملز اور آس پاس کا علاقہ	عورتوں اور بچوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ مغربی پاکستان کے رہنے والے کارکنوں اور افسروں کو اغوا کر لیا گیا۔ تقریباً ایک ہزار افراد ہلاک ہوئے۔
	۲۷ سے ۲۸ اپریل ۱۹۷۱ء حافظ جوٹ مل	بڑے پیمانے پر لوٹ مار اور قتل و غارتگری جنہیں عورتوں اور بچوں کو گھروں میں بند کر دیا گیا تھا۔ اور جن کو بچا لیا گیا انہوں نے ناقابلِ بیان مظالم کی داستان بیان کی۔ خواتین کی آبرو ریزی کی گئی۔ یہاں تقریباً دو ہزار افراد ہلاک ہوئے۔
	۲۶ سے ۳۰ اپریل ۱۹۷۱ء کرنافلی پیپر مل، ریان مل، چندرگونا اور آس پاس کا علاقہ	مل پر حملہ ہوا اور مل کے مالک کے گھر کو آگ لگا دی گئی۔ گھر کے تمام افراد اس آگ میں زندہ جل گئے۔ چند بچے اتفاق سے بچ نکلے۔ یہاں تقریباً ۱۵۰ افراد مارے گئے۔
	۲۷ سے ۳۰ اپریل ۱۹۷۱ء رنگامتی۔	رنگامتی میں رہنے والے تمام مغربی پاکستانیوں کو پکڑ کر اذیت پہنچائی گئی اور پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہاں تقریباً ۵۰۰ آدمی مارے گئے۔

فہرست کا دوسرا حصّہ

جیسور

جیسور، ۲۹ ۔ ۳۰ مارچ ۱۹۷۱ء جھم جھم پور کالونی

ایسٹ پاکستان رائفلز نے تمام بہاری آبادی کا سفاکانہ قتل عام کیا۔ عورتوں اور بچوں کو ندی کی سمت گھسیٹ کر لے جایا گیا۔ تقریباً چار پانچسو عورتوں کو دریا کی راستے سے اغوا کیا گیا۔ اس جگہ جابجا انسانی کھوپڑیاں اور ڈھانچے بکھرے پڑے ملے۔ اندازہ ہے کہ تقریباً ۳ ہزار افراد کو مار ڈالا گیا اور کوئی دو ہزار افراد کا اغوا کر لیا گیا۔

۲۹، ۳۰ مارچ ۷۱ء، رام نگر کالونی

جمشید پور کالونی کے لوگوں نے یہاں آکر پناہ لی مگر تخریب پسندوں نے یہاں آگ لگا دی۔ کوئی ۱۵ افراد مارے گئے۔ ۴۰۰ افراد بے گھر لوگوں کے کیمپ میں منتقل ہو گئے۔

۳۰ مارچ ۷۱ء، تمرا گنج کالونی

عوامی لیگ کے رضاکاروں اور ایسٹ پاکستان رائفلز کے دستوں نے اس کالونی کی پوری آبادی کو موت کی بھینٹ چڑھا دیا۔ تمام مکانات تباہ کر دیئے گئے۔ تقریباً ۵۰۰ افراد مار ڈالے گئے۔ کوئی ۴۰۰ افراد لاپتہ ہیں۔

۳۰ مارچ تا ۵ اپریل ۷۱ء، حامد پور، آم باگان، بچیا پھر اور جلیسو ٹاؤن کا پراٹن قصبہ

اس علاقے کی مہاجر آبادی کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ مکانات کو پہلے لوٹا گیا، پھر تباہ کیا گیا، کوئی ایک ہزار افراد کو یا تو قتل کر دیا گیا یا پھر اغوا کر لیا گیا۔ ۱۷۵ افراد کو ہسپتال میں اور ۲۷۰ کو بے گھر لوگوں کے کیمپ میں منتقل کر دیا گیا۔

۳۰ مارچ تا ۵ اپریل ۷۱ء، مبارک گنج

مرد، عورتوں اور بچوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر مار ڈالا گیا۔ ان کے مکانوں کو لوٹا گیا اور آگ لگائی گئی۔ کوئی ۲۰۰ افراد قتل کر دیئے گئے۔ ۱۰ ہسپتال میں اور ۴۷ بے گھر لوگوں کے کیمپ میں داخل کئے گئے۔

۳۰ مارچ تا ۵ اپریل ۷۱ء، کالی گنج

کئی علاقوں پر حملہ کیا گیا۔ عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ مرد اور بچوں کو سفاکانہ قتل کیا گیا۔ بھاری پیمانے پر لوٹ مار اور غنڈہ گردی کی گئی۔ کوئی ۳۰۰ افراد قتل کر دیئے گئے۔ ۳۲ ریلیف کیمپ میں بھیجے گئے۔

۳۰ مارچ تا ۱۰ اپریل ۷۱ء، کوٹ چاند پور

اندھا دھند لوٹ مار، آتشزدگی اور قتل عام کیا گیا۔ ۲۰۰ افراد مار ڈالے گئے۔ ۵۰ زخمی ہوئے اور ۵۵ ریلیف کیمپ میں بھیجے گئے۔

۳۰ مارچ ۷۱ء، لسنی ڈنگا

سنگرام پریشد رضاکاروں نے پہلے سے نشان زدہ مکانات پر حملے کئے، مردوں اور بوڑھی عورتوں کو مار ڈالا اور نوجوان عورتوں کو نکال کر لے گئے۔ کوئی ۲۰۰ افراد مارے گئے۔ ۷۴ ریلیف کیمپ میں ہیں۔

۳۰ مارچ تا ۱۰ اپریل ۱۹۷۱ء، نرسل

یہاں پر پٹھانوں کو بالخصوص مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ تمام علاقے کے پٹھانوں کو اکٹھا کر کے بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ ۱۰۰ یا ۷۰ پٹھانوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

۲۵ مارچ تا ۴ اپریل ۷۱ء، جینیدا سب ڈویژن

عوامی لیگ کے رضاکاروں نے بیشمار مکانات پر حملہ کیا، لوٹا اور آگ لگا دی اور یوں بیشمار جانی اور مالی نقصان ہوا۔ ۲۵۰ افراد سے زیادہ قتل کئے گئے۔ ۵۰ لاپتہ ہو گئے اور ۲۰ افراد کو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔

کھلنا

۲۸، ۲۹ مارچ ۷۱ء، کھلنا ٹاؤن، کریسنٹ جوٹ مل، خالص پور، اور سٹار جوٹ مل، چندی محل

کھلنا میں عوامی لیگ کے ابتدائی دفاعی تربیتی کیمپ کھولے گئے۔ مغربی پاکستان کے نام نہاد دلالوں کے خلاف باقاعدہ لوٹ مار

آتشزدگی اور قتل و غارت کی تحریک شروع کی گئی۔ مکانات تباہ کئے گئے اور عوام کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ عوام کو جان سے مار ڈالنے سے پہلے، انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ معصوم اور بے گناہ عورتوں اور بچوں کو سڑکوں پر بے رحمی سے گھسیٹا گیا اور پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جن لوگوں نے دریا میں تیر کر جان بچانے کی کوشش کی انہیں باہر کھینچ لیا گیا۔ ان کے پیٹ چاک کئے گئے اور پھر انہیں دریا میں دھکیل دیا گیا۔ دریا ان معصوموں کے خون سے سرخ ہو گیا۔ مل کی عمارت کے بیشتر حصوں کو نقصان پہنچایا گیا۔ کچھ افسروں کو بھاری رقوم ادا کرنے پر چھوڑ دیا گیا۔ تقریباً ۵ ہزار افراد کو قتل کر دیا گیا۔

۲۸، ۲۹ مارچ ۷۱ء پیپلز جوٹ مل، خالص پور، کھلنا

ایسٹ پاکستان رائفلز، انصار اور عوامی لیگ کے رضاکاروں نے اندھا دھند قتل عام کیا۔ ہر عمر کے آدمی بڑے بوڑھے، عورت اور بچے سب کو قتل کر دیا۔ ۷۰۴ افراد مار ڈالے گئے۔

۲۸، ۲۹ مارچ ۷۱ء، خالص پور۔ کھلنا

کالونی کا دس ہزار عوامی لیگی کارکنوں نے محاصرہ کیا۔ باغی پولیس بھی ان کے ساتھ ہو گئی۔ چھ گھنٹے تک مسلسل فائرنگ ہوتی رہی۔ کوئی ۳۰۰ افراد مار ڈالے گئے۔

۳۰ اپریل ۷۱ء دستگیر اسب ڈویژن

مغربی پاکستانی ایس۔ ڈی۔ او کو پکڑ کر قیدی بنایا گیا۔ اس علاقے میں قتل و غارت، آتشزدگی اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا گیا۔ کوئی ایک ہزار افراد کو بے دردی سے مار ڈالا گیا۔

کشتیا

۲۹ مارچ تا ۱۰ اپریل ۷۱ء، کشتیا ٹاؤن

ایسٹ پاکستان رائفلز کے باغی، مجاہد اور مقامی شرپسندوں نے مغربی پاکستانی افواج اور بہاریوں پر اندھا دھند فائرنگ کرنی شروع کر دی۔ خوف و ہراس اور لوٹ مار کا یہ سلسلہ ۱۳ روز تک جاری رہا۔ ایک ہزار یا ڈیڑھ ہزار افراد بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے۔

۲۶ مارچ تا یکم اپریل ۷۱ء چوڈنگا، کشتیا

مغربی پاکستانیوں اور بہاریوں کو لوٹا گیا، مار ڈالا گیا، عورتوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔ مغربی پاکستانی ایس۔ ڈی۔ او کو اذیتیں دیں اور اس کی حاملہ بیوی کو مارا۔ ۵۰۰ افراد قتل کر دیئے گئے، ۱۰۰ لاپتہ ہیں۔

۲۳ اپریل ۷۱ء ظفر کنڈی، کشتیا۔

باغی ایسٹ پاکستان رائفلز اور مقامی شرپسندوں نے بہاری کالونیوں پر حملے کئے۔ جائیدادوں کو بھاری نقصان پہنچانے کے بعد کالونی کو آگ لگا دی گئی۔ کوئی شخص زندہ نہ بچا۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ کر الگ پھینک دی گئیں۔ پیٹ چیر کر پھینک دیئے گئے۔ کوئی ۵۰۰ افراد کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

۳۰ مارچ تا ۱۳ اپریل ۷۱ء مہرپور، کشتیا۔

دو ہفتہ تک مہرپور کے علاقے میں مسلسل دہشت گردی، آتشزنی، لوٹ مار، قتل و غارت اور عصمت دری کے مسلسل مصائب جاری رہے۔ ۳۰۰۔۴۰۰ کے قریب افراد مار ڈالے گئے۔ ۲۰۰ لاپتہ ہیں۔ ۱۰۰ ہسپتال میں داخل ہیں۔

بوگرہ

۲۶ مارچ تا ۲۳ اپریل ۷۱ء، بوگرہ ٹاؤن

عوامی لیگ کے رضاکاروں نے جیل کے دروازے توڑ ڈالے۔ قیدیوں کو دہشت گردی اور تشدد کرنے کیلئے آزاد کر دیا۔ ۷ ہزار عورتوں، مردوں اور بچوں کو جیل میں ٹھونسا گیا تاکہ بارود سے اڑا دیا جاتا۔ مگر پاکستانی افواج کی بروقت آمد کے باعث یہ ۷ ہزار معصوم جانیں بچ گئیں۔ چشم دید گواہوں نے قتل، عصمت دری اور لوٹ مار کی دردناک داستانیں سنائیں۔ ۱۰ ہزار افراد قتل کئے گئے۔

۲۶ مارچ تا ۲۲ اپریل ۷۱ء، نواگاؤں، سنتھاہر

عوامی لیگ کے شرپسندوں نے سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کیں تاکہ بہاریوں کی نقل و حرکت رک جائے۔ بنکوں کو لوٹا۔ نوجوان عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ ان کو مارنے سے پہلے انہیں ننگے بدن سڑکوں پر چلوایا گیا۔ سارے شہر میں لاشوں کے انبار لگا دیئے گئے۔ بے شمار لوگوں کو زندہ جلا ڈالا گیا۔ کچھ کو زخمی حالت میں گھسیٹا گیا اور پھر مار ڈالا گیا۔ ماؤں کو اپنے بچوں کا خون پینے پر مجبور کیا گیا۔ تقریباً تمام بہاری آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ۱۵ ہزار افراد مار ڈالے گئے۔

پبنہ

۲۳ مارچ تا ۱۰ اپریل ۷۱ء، پبنہ ٹاؤن

پبنہ ٹاؤن میں پورے دو ہفتے تک دہشت گردی اور قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ آخر فوج نے آکر انتظام سنبھالا۔ ۲۰۰ افراد قتل کر دیئے گئے۔

۲۳ مارچ تا ۱۰ اپریل ۷۱ء، سراج گنج

دہشت پسندوں نے ۳۵۰ عورتوں، مردوں اور بچوں کو ایک عمارت میں بند کر کے آگ لگا دی۔ تمام آبادی کو ختم کر دیا۔

۱۰ اپریل ۷۱ء، پکسے

ریلوے کالونی کے لوگوں کو امن کمیٹی قائم کرنے کا دھوکہ دے کر ہائی اسکول کی عمارت میں جمع کیا گیا اور پھر عمارت کو آگ لگا کر لوگوں کو زندہ جلا ڈالا۔ ۲ ہزار مارے گئے۔

رنگپور

۲۳ تا ۲۱ مارچ ۷۱ء، سید پور (رنگپور)

سینکڑوں مکانوں کو مع مکینوں کے جلا دیا گیا۔ ۱۰۰ سے زیادہ افراد کو مار ڈالا گیا۔

۲۳ مارچ تا یکم اپریل ۷۱ء، نل پھاری

مہاجروں کی کل ۵ ہزار آبادی میں آدھے سے زیادہ آبادی کو سفاکانہ قتل کیا گیا۔ ۲۷۰۰ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

دیناج پور

۲۸ مارچ تا یکم اپریل ۷۱ء، دیناج پور ٹاؤن

ایسٹ بنگال رائفلز کی بغاوت کے ساتھ ہی دہشت گردی کا بازار گرم ہوا۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام ہوا۔ چند بوڑھی عورتیں اور بچے ہی ظلم و ستم کا نشانہ بننے سے بچ سکے۔ ستم رسیدوں کے سر درختوں کے ساتھ باندھ کر لٹکائے گئے۔ کوئی ۴۰۰ لڑکیاں اغوا کر کے ہندوستان بھیجی گئیں۔ ۵ ہزار افراد مارے گئے۔

۲۸ مارچ تا ۱۳ اپریل ۷۱ء، ٹھاکر گاؤں

ایسٹ بنگال رائفلز نے بغاوت کردی اور زیادہ تر بہاری آبادی کو قتل کردیا گیا۔ نوجوان لڑکیاں اغوا کرلی گئیں۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے گئے۔ بچوں کو پیٹ سے نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ لاشوں کو ننگا کر کے سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔ ۳ ہزار افراد مارے گئے۔

پاربتی پور، لوپچ گرنٹ، چوڑکٹی، پھلباری اور ہلی

ایسٹ پاکستان رائفلز کے باغیوں اور عوامی لیگ کے رضا کاروں کے ستم کا نشانہ ریلوے کالونیاں تھیں۔ دستی بم، چھوٹی مشین گنیں اور دوسرا آتشیں اسلحہ، مکینوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے استعمال کیا گیا اور پھر انہیں بے دردی سے قتل کیا۔ عورتوں کی آبرو ریزی کی۔ دیکھنے والوں کے اندازے کے مطابق ۵ ہزار افراد مار ڈالے گئے۔

راجشاہی

۲۸ مارچ تا ۱۶ اپریل ۷۱ء، راجشاہی ٹاؤن

پولیس اور ایسٹ پاکستان رائفلز نے بغاوت کردی، ہندوستانی مداخلت کار بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور انہوں نے قتل و غارت شروع کردی۔ حتیٰ کہ ۱۶ اپریل کو فوج نے اس علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ نیٹور اور سرداہ کے علاقوں میں بھی قتل عام ہوا۔ کوئی ۲ ہزار افراد مارے گئے۔

۲۷ مارچ تا ۱۸ اپریل ۷۱ء، نواب گنج

ایسٹ پاکستان رائفلز کے باغی عناصر نے ہندوستانی مداخلت کاروں کی مدد سے نواب گنج جیل توڑ ڈالی۔ تمام قیدیوں کو رہا کردیا اور انہیں دہشت گردی اور لوٹ مار کرنے کی ترغیب دی۔ ایک اکاؤنٹنٹ کلرک کو کمر تک زندہ زمین میں دبا دیا گیا۔ کیونکہ اس نے "بنگلہ دیش" کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ بعد میں اُسے لاٹھیوں سے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ کوئی ایک ہزار افراد کو اس علاقے میں قتل کیا گیا۔

کومیلا

۳۰ مارچ تا ۱۴ اپریل ۷۱ء، برہمن باڑیہ

برہمن باڑیہ میں بہاری عورتوں، مردوں اور بچوں کو جمع کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ بعد ازاں ۱۳ اپریل ۷۱ء کو ایسٹ بنگال رجمنٹ کے باغی کمپنی کمانڈر کے حکم پر زندہ لوگوں کو آگ میں جلا ڈالا گیا۔ ۵۰۰ افراد مارے گئے۔

میمن سنگھ

۲۷ مارچ ۷۱ء، میمن سنگھ چھاؤنی

ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز کے باغیوں نے اپنے مغربی پاکستان ساتھیوں کو قتل کر دیا اور انہوں نے افسران کے علاوہ ان لوگوں کو بھی قتل کر دیا جو مغربی پاکستانی افسران اور سپاہیوں کے گھروں اور بیرکوں میں رات گزارنے کیلئے

ملتے ہیں۔

۱۶، ۱۷/ اپریل ۷۱ء، میمن سنگھ ٹاؤن

ایسٹ پاکستان رائفلز کے سابقہ افسران نے مشین گنوں سے مسلح ہو کر میمن سنگھ جیل پر حملہ کر دیا اور ۱۷ غیر مقامی افراد کو بے گناہ قتل کر دیا۔ یہ مظلوم افراد جان بچانے کو یہاں موجود تھے۔

۱۷ء تا ۲۰/ اپریل ۷۱ء، شان کیپار اور دوسری کالونیاں

مشتعل اور باغی ہجوم جو رائفلوں، تلواروں، بھالوں، برچھیوں، بالسوں اور "روڑوں" سے مسلح تھا، انہوں نے شانکی پاڑہ، اور میمن سنگھ ٹاؤن سے ملحقہ اور نزدیک تر دوسری ۹ کالونیوں کے بیشتر مرد مکینوں کو قتل کر دیا۔ کوئی ۵ ہزار افراد کو مار ڈالا گیا۔ عورتیں ایک اسکول اور ایک مسجد کی عمارت میں جمع ہو گئیں۔ بعد ازاں جب ۲۱/ اپریل ۷۱ء کو فوج نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو ان مظلوم عورتوں کو تحفظ ملا۔ "

دیکھ لیا آپ نے کہ وہاں کے مظلوم انسانوں پر کیا بیتی؟ نازیوں کے مظالم کی داستانیں انسانیت کا دل ہلا دیا کرتی تھیں لیکن ان مظالم کے سامنے ان کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی۔ یہ کچھ تو درندے بھی اپنے شکار کے ساتھ نہیں کیا کرتے۔

اور پھر ہماری وہ نوجوان بہنیں اور بیٹیاں جنہیں چن چن کر ہندوستان بھیج دیا گیا! آف --- ان پر کیا گزر رہی ہو گی اور وہ ہمارے متعلق کیا کہہ رہی ہوں گی؟

حمیت --- نام تھا جس کا گئی "تیمور کے گھر" سے

(بقیہ)

محترم پرویز صاحب کا درس قرآن کریم

لاہور

ہر اتوار --- ۸ بجے صبح

بمقام:- ۲۵/ بی گلبرگ ۲، لاہور

ملتان

بروز جمعہ --- ریڈیو ٹیپ --- بعد نماز مغرب

بمقام:- شاہ محمد اینڈ سنز، بیرون پاک گیٹ

کراچی

ہر اتوار --- ۹½ بجے صبح --- بذریعہ ٹیپ

بمقام:- دفتر بزم طلوع اسلام

۳" فردوس مارکیٹ (بالمقابل بس اسٹاپ پہلی چورنگی) ناظم آباد کراچی ۱۸

بابُ المراسلات

مجیب سے بھی بڑا خطرہ

—— کراچی سے آمدہ ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیے :۔

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ایک کتاب —"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" (حصہ سوئم) جو مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی ہند' دہلی' نے جنوری ۱۹۶۲ء میں شائع کی ہے' میری فرمائش پر' ایک دوست میرے لئے' ہندوستان سے لائے تھے' ابھی اس کا مطالعہ جاری ہے۔ یوں تو حسبِ معمول مولانا کی یہ کتاب بھی تضاد کا ایک قابلِ ریکارڈ مجموعہ ہے لیکن وہ مقامات جہاں موصوف نے انبیاء کرام کو اپنی فکر کی آماجگاہ بنایا ہے' تیرو نشتر کا کام کرتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک مقام پر' اس سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے' کہ ایک انقلابی تحریک اپنے ابتدائی ایام میں کن مراحل سے گذرتی ہے اور اسے وہاں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے' انجیل (متی ۲۲-۱۵:۲۱) سے پہلے حسبِ ذیل اقتباس نقل کیا ہے۔

> اس وقت فریسیوں نے جا کر مشورہ کیا کہ اسے کیونکر باتوں میں پھنسائیں پس انہوں نے اپنے شاگردوں کو ہیرودیوں کے ساتھ اس کے پاس بھیجا اور انہوں نے (یعنی شاگردوں) نے کہا۔ اے استاد! ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے' اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا . . . . . ہمیں بتا تو کیا سمجھتا ہے۔ قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں. یسوع نے اس کی شرارت جان کر کہا۔ اے ریاکارو! مجھے کیوں آزماتے ہو۔ جزیہ کا سکہ مجھے دکھاؤ۔ وہ دینار اسکے پاس لے آئے۔ اس نے ان سے کہا' یہ صورت اور نام کس کا ہے۔ انہوں نے کہا قیصر کا۔ اس پر اس نے کہا جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو' اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو ادا کرو۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

> اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ ایک چال تھی۔ فریسی اسی تحریک کو ختم کرنے کیلئے چاہتے تھے کہ حضرت مسیح کا قبل از وقت حکومت سے تصادم کرا دیا جائے اور تحریک کے جڑ پکڑنے سے پہلے حکومت کے زور سے اسے کچلوا ڈالا جائے۔ اس لئے ہیرودی ریاست کی سی۔ آئی۔ ڈی کے سامنے یہ سوال اٹھایا گیا کہ قیصر کو ٹیکس دیا جائے یا نہیں۔ جواب میں حضرت مسیح نے جو ذو معنی بات کہی اسکو دو ہزار برس سے مسیحی اور غیر مسیحی سب تو معنی پہنا رہے ہیں کہ عبادت خدا کی کرو اور اطاعت ہر اس حکومت کی کرتے رہو جو تمہارے زمانے میں موجود ہو۔ لیکن دراصل مسیح نے نہ تو یہ فرمایا کہ قیصر کو ٹیکس دینا روا ہے کیونکہ ایسا کہنا ان کی دعوت کے خلاف تھا اور نہ یہ فرمایا کہ اسے ٹیکس نہ دیا جائے کیونکہ اس وقت تک انکی تحریک اس مرحلے تک نہیں پہنچی تھی کہ ٹیکس روکنے کا حکم دیا جاتا۔ اس لئے انہوں نے یہ لطیف بات کہہ دی کہ قیصر

کا نام اور اس کی صورت تو تغیری ہی کو واپس کر دو اور سونا جو خدا نے پیدا کیا ہے وہ خدا کی راہ میں صرف کرو۔

(اس کے بعد ہمارے مکتوب نگار لکھتے ہیں) قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۔ (۳۳/۷۰) ہمیشہ واضح، صاف محکم، سیدھی، دو ٹوک بات کرو۔ اِجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ (۲۲/۳۰) مکر و فریب کی بنائی ہوئی جھوٹی باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرو۔ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا۔ (۶/۱۵۲) جب بھی بات کرو عدل و انصاف کی کرو۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ۔ (۲/۴۲) سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ سچی بات کو چھپاؤ۔ شہادت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے تاکیداً کہا ہے کہ وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ (۴/۱۳۵)۔ مولانا محمود الحسن اس کا ترجمہ کرتے ہیں ۔۔۔ اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے ۔۔۔ اور حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ "زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان داب کر اور پیچ سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے۔ یعنی صاف صاف سچ نہ بولا۔ اور بچا جانا یہ کہ پوری پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی۔" اللہ تعالیٰ عام مسلمانوں کو یہ احکام دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی زندگی باقی انسانوں کیلئے نمونہ کا کام دیتی ہے۔ اس لئے اس نے نبی کی اولین خصوصیت یہ بتائی ہے کہ وہ صدیق ہوتا ہے ۔ انتہائی درجہ کا سچا۔ نبی کے اس مقام کے بعد یہ کہنا کہ حضرت مسیح نے (معاذ اللہ) ذو معنی بات کہدی، اور صاف صاف بات نہ کہی کیونکہ ان کی تحریک ابھی اس مرحلہ تک نہیں پہنچی تھی کہ دو ٹوک بات کہہ دی جاتی کیا حضرت مسیح کے باب میں انتہائی گستاخی اور دریدہ دہنی نہیں؟ کیا قانون اس کا کوئی مواخذہ نہیں کرتا؟

اس سے آگے بڑھیئے۔ مودودی صاحب نے قوم کو جو اس قسم کی تعلیم دی ہے کیا اسی کا یہ نتیجہ نہیں کہ مشرقی پاکستان نے مجیب جیسے کو جنم دیا۔ کیا مجیب الرحمٰن نے بھی مولانا کی ان تعلیمات پر عمل کر کے نہیں دکھایا کہ جب تک انکی تحریک ابتدائی مراحل میں رہی اور انہوں نے خفیہ طور پر طاقت حاصل نہ کر لی، وہ ذو معنی بات کرتے رہے، اور طاقت حاصل کر لینے کے بعد انہوں نے عوام سے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ حکومت کو ٹیکس نہ دیں!! اور کیا یہی تعلیم ہمارے عام نوجوانوں کو اس ڈگر پر نہیں چلا رہی کہ جب تک طاقت حاصل نہ ہو جائے، ذو معنی باتیں کرتے رہو اور طاقت حاصل کر لینے کے بعد نکھر کر سامنے آجاؤ۔ یہی (معاذ اللہ) شیوۂ انبیاء ہے۔ یہی کامیابی کا "اسلامی راستہ" ہے!

مودودی صاحب نے اپنے ایک حالیہ بیان میں (جو ۲۴ جولائی کے اخبارات میں شائع ہوا ہے) کہا ہے۔ "باقی رہی حکومت پاکستان تو ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ کب تک ان سرگرمیوں کو نظر انداز کرتی رہیگی (یعنی پیپلز پارٹی کی سرگرمیوں کو ۔ طلوع اسلام)۔ اس سے پہلے ایک پارٹی اور ایک لیڈر کی سرگرمیوں کو ایک مدت تک نظر انداز کرتے رہنے کے جو نتائج نکلے ہیں وہ سب ہمارے سامنے ہیں۔ اور اگر یہی پالیسی ایک دوسری پارٹی اور اس کے لیڈر کے معاملہ میں اختیار کی گئی تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے نتائج کیا ہونگے۔" سیاسی پارٹیاں جو کچھ کرتی ہیں، سیاست کے نام پر کھلے بندوں کرتی ہیں، لیکن جو پارٹی مذہب کے نقاب میں اس قسم کی تعلیم عام کرے کہ ہر حکومت اس قابل نہیں ہوتی کہ اسے ٹیکس دیا جائے، لیکن جب تک قوت فراہم نہ ہو جائے، اس قسم کی بات صاف صاف الفاظ میں نہیں کہنی چاہیئے۔ ذو معنی پیچ دار الفاظ میں بات کہنی چاہیئے۔ اور جب طاقت حاصل ہو جائے تو پھر نکھر کر سامنے آجانا چاہیئے۔ جو پارٹی اس قسم کی تعلیم دے اور اسے بتائے بھی انبیاء کا طریق، اس کی طرف سے ملک کو جو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، اسے نظر انداز کرنا کب خطرہ سے خالی ہو سکتا ہے؟"

طلوع اسلام

حضرت مسیح کی شان میں اس قسم کی زبان درازی پر تڑپ اٹھنا مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ مودودی صاحب نے انجیل کی شہادت سے (جو قرآن کریم کی تصریح کے مطابق، محرف کتاب ہے) جو نتیجہ اخذ کیا ہے، اور اسے جس مقصد

کے لئے پیش کیا ہے' وہ بالکل واضح ہے۔ مودودی صاحب خالصۃً سیاسی لیڈر ہیں اور اسی سیکیاولی سیاست کے علمبردار جو عصرِ حاضر میں عام ہو رہی ہے۔ لیکن وہ اپنی سیاست کو مذہبی نقاب اوڑھا کر پیش کرتے ہیں اور غضب بالائے غضب یہ کہ، وہ اتنا خیال بھی نہیں کرتے کہ ان کے تشنج کے زدِ کہاں تک جا پہنچتی ہے اور وہ اپنی ایک سیاسی چال کے جواز میں جو (وضعی، سندیں اور (محرف) مثالیں پیش کرنے کی جرأت کر لیتے ہیں' اس سے کتنی کتنی عظیم القدر ہستیوں کی سیرت داغدار ہو جاتی ہے۔ اس باب میں انہیں' اور تو اور' خود حضور رسالتمآبؐ کی شانِ اقدس و اعظم میں دریدہ دہنی سے بھی کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے جب انکے کچھ قدیم ترین رفقاء' یہ کہہ کر ان سے الگ ہوتے کہ مودودی صاحب نے جو اصول تحریک کے اولین ایام میں اختیار کئے تھے اب عملی سیاست کے وقت' ان میں سے ایک ایک کو توڑتے چلے جا رہے ہیں' تو انہوں نے (مودودی صاحب نے) کمال ڈھٹائی سے کہا — اور ایسا کہنے میں نہ خدا سے شرماتے نہ اس کے رسول سے —کہ میں نے یہ کونسا انوکھا اور خلافِ اسلام کام کیا ہے۔ (معاذ اللہ، معاذ اللہ) خود رسول اللہ نے بھی تو یہی کیا تھا کہ اپنی تحریک کے اولین مراحل میں دین کے جو اصول پیش کئے تھے' جب حکومت قائم کرنے کا وقت آیا تو انہیں بالائے طاق رکھ دیا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ

> اسلامی نظام کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ تمام نسلی اور قبائلی امتیازات کو ختم کر کے اس برادری میں شامل ہونے والے سب لوگوں کو یکساں حقوق دیئے جائیں اور تقویٰ کے سوا فرقِ مراتب کی کوئی بنیاد نہ رہنے دی جائے۔ اس چیز کو قرآن مجید میں بھی پیش کیا گیا اور حضورؐ نے بھی بار بار اس کو نہ صرف زبان مبارک سے بیان فرمایا بلکہ عملاً موالی اور غلام زادوں کو امارت کے مناصب دیکر واقعی مساوات قائم کرنے کی کوشش بھی فرمائی۔ لیکن جب پوری فرمانروائی کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے ہدایت دی کہ الائمۃ من القریش۔ امام قریش میں سے ہوں گے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس خاص مسئلہ میں یہ ہدایت' مساوات کے اس عام اصول کے خلاف پڑتی ہے جو کلیہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ (ترجمان القرآن۔ دسمبر ۱۹۵۶ء)

آپ نے غور فرمایا کہ یہاں مودودی صاحب نے کیا تعلیم دی ہے؟ یہ کہ اپنی تحریک کے اولین مراحل میں نہایت خوش آئند، درخشندہ و تابناک اصول پیش کر کے' لوگوں کو اپنے ساتھ ملالو اور جب حکومت قائم کرنے کا وقت آئے تو ان سے صاف مکر جاؤ' خواہ وہ اصول قرآن میں بھی درج کیوں نہ ہوں' یہ تعلیم دی' اور اسے انتہائی بے باکی کے ساتھ خود حضور نبی اکرمؐ کیطرف منسوب کر دیا۔

پھر مودودی صاحب نے یہ تعلیم پیش کی کہ:۔

> راستبازی و صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اسکی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ (ترجمان القرآن۔ مئی ۱۹۵۸ء)

جب اس پر اعتراض ہوا' تو کمال ڈھٹائی سے لکھا کہ:

> اس کی عملی مثالیں بھی احادیث میں موجود ہیں۔ کعب بن اشرف کے قتل کے لئے محمد بن مسلمہ کو جب حضورؐ نے مامور کیا تو انہوں نے اجازت مانگی کہ اگر کچھ جھوٹ بولنا پڑے تو بول سکتا ہوں' حضورؐ نے بالفاظِ صریح انہیں اس کی اجازت دیدی۔ (ایضاً)

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب' سادہ لوح نوجوانوں کو' اسلام کے نقاب میں' جو تعلیم دے رہے ہیں' وہ کس قسم کی ہے۔ وہ ان کے دماغ میں کوٹ کوٹ کر بھر رہے ہیں کہ' اسلام کی تعلیم اور انبیاء کا طریق یہ ہے کہ:۔

(۱) تحریک کے ابتدائی ایام میں نہایت بلند آہنگ اور خوش کن اصول پیش کرتے جاؤ لیکن دل میں اس بات کو سمجھتے رہو کہ

جب عملاً حکومت قائم کرنے کا وقت آیا تو ان اصولوں کے لبادہ کو بلا تامل و بلا توقف اتار کر پھینک دیا جائیگا۔

(۲) ہمیشہ ذومعنی بات کرو تاکہ اس وقت عوام کو دھوکا دیا جاسکے اور بعد میں اسے جو معنی بھی چاہے پہنا دیئے جاسکیں۔

(۳) جہاں عملی زندگی کی کسی ضرورت کا تقاضا ہو' وہاں بلا جھجک جھوٹ بولو۔ ایسے وقت میں جھوٹ بولنے کی اجازت ہی نہیں ایسا کرنا تم پر ضرور واجب ہو جاتا ہے۔

(۴) اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ اور ایسا کرنے میں جھوٹ اور فریب پر مشتمل ہر حربہ استعمال کرو۔

(۵) اور جب یقین (یا کم از کم ظن غالب) ہو کہ عملی جدوجہد کو شروع ہوتے ہی' اکثریت ان کا ساتھ دیگی تو اس صورت میں مصالحین کی اس جماعت کو (یعنی وہ مصالحین' جن کی تربیت اس تعلیم کے مطابق کی گئی تھی جسکا ذکر اوپر آچکا ہے) نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ انکے اوپر یہ شرعی فرض عاید ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔

(اسلامی ریاست ۲۵۔ بحوالہ المنبر۔ ۱۸ نومبر ۱۹۶۳ء)

یہ ہے وہ جماعت جسے اس قسم کی تعلیم دیکر' سالہا سال سے تیار کیا جا رہا ہے۔ مجیب الرحمٰن نے اپنی پارٹی کو اس سے الگ اور کیا تعلیم دی تھی؟ اس کی پارٹی اور انکی پارٹی میں فرق یہ ہے کہ مجیب کے ساتھی اس ساری جدوجہد کو سیاسی قرار دیتے تھے۔ وہ "اصول شکنی اور عہد فراموشی' فریب دہی اور دروغ بافی' مخالفین کی ہر حربہ سے ہلاکت اور بزور شمشیر حکومت پر قبضہ کو سیاسی حربے" سمجھتی تھی لیکن مصالحین کی یہ جماعت اسے دینی جہاد قرار دیتی ہے جس میں جان دینے والے کو شہید کہہ کر پکارا جاتا ہے اور کامیاب ہونے والے کو غازی۔ اور ظاہر ہے کہ جو فساد مذہبی دیوانوں (FANATICS) کے ہاتھوں برپا ہوتا ہے اسکی ہلاکت سامانیوں کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔ مجیب تو پھر بھی کسی زمانے میں تحریک پاکستان کا ہمنوا تھا۔ یہ حضرات پہلے دن سے اسکے مخالف رہے ہیں! اس لئے ظاہر ہے کہ اگر اس جماعت کو (خدانخواستہ) اقتدار حاصل ہو گیا تو اس ملک کا کیا حشر ہوگا۔ وہ جس قسم کی حکومت قائم کریگی اس کے متعلق مودودی صاحب نے پہلے ہی کہہ رکھا ہے کہ

وہ اسٹیٹ فاشسٹی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے۔ (اسلام کا نظریہ سیاسی)

اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد۔

(موجودہ مسلمانوں کو نوٹس دیا جائیگا کہ جو لوگ اسلام سے (یعنی اس اسلام سے جسے مودودی صاحب اسلام قرار دیں' طلوعِ اسلام) اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں' وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونیکا باقاعدہ اعلان کر کے ہمارے نظامِ اسلامی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائیگا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائینگے۔ فرائض و واجبات دینی پر انہیں مجبور کیا جائیگا اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھیگا[1] اسے قتل کر دیا جائیگا۔ (مرتد کی سزا اسلامی قانون میں)

مجیب الرحمٰن اور اسکی پارٹی نے (حکومت کیطرف سے شائع کردہ اعداد و شمار کیمطابق) گزشتہ بغاوت میں مشرقی پاکستان میں' ایک لاکھ کے قریب بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ جماعتِ اسلامی کے برسرِ اقتدار آجانے کے بعد جو یہاں قتلِ عام ہوگا' اسکا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ان سے متفق نہیں ہوگا' اسے دائرہ اسلام سے باہر قرار دیکر قتل کر دیا جائیگا اور چونکہ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوگا اس لئے کسی شخص کو اس کے خلاف لب کشائی کی اجازت نہیں ہوگی۔

سوچئے کہ یہ خطرہ مجیب کے خطرہ سے کہیں زیادہ مہیب ہے' یا نہیں!

---

[1] اس کا فیصلہ بہرحال مودودی صاحب کرینگے کہ کس نے دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھا ہے۔